





# نوک جھونک

طمنیہ و مزاحیہ کلام



رؤف رحیم ایم۔ اے  
(عثمانیہ)



نام کتاب : نوک جھونک

اشاعت : پہلی بار

تعداد : (۶۰۰)

سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء

کتابت : محمد عبد الرؤف / سلام خوشنویس

سرورق : طالب خوند میری

طباعت : دائرہ پریس - پھتہ بازار - حیدرآباد

مصنف و ناشر :

رؤف رحیم ایم۔ اے

معتد ادبستان دکن بیادگار حضرت صفی اورنگ آبادی

نیر اہتمام :

جناب زہر محبوب علی خاں انجمن

قیمت (۵۰) روپے = RS. 50/- لائبریری کے لیے : = RS. 80/-

ملنے کے پتے :

مشکوٰۃ پبلیکیشنز، ۳۱ سر مجر دگاہ - معظم جاہی مارکٹ - حیدرآباد

حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان - حیدرآباد

اسٹوڈنٹس بک ہاؤس - چارمینار - حیدرآباد

احمد شمس الدین مکتبہ مکان نمبر ۵۲۵ - ۵ - ۲۰ شکر گنج - حیدرآباد



# ○ یہ کتاب

فخر الدین علی احمد میہوریل کیٹی  
حکومت اتر پردیش (لکھنؤ)  
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔



## انتساب

ڈاکٹر راج بہادر گکڑ، صد زندہ دلان حیدر آباد

و  
استاد محترم حضرت روحی قادری

کے نام

جن کی رہبری نے اس چوتھے مجموعہ کلام کی  
اشاعت کی جانب راغب کیا۔

رؤف رحیم



# فہرست

شعبہ : ۸  
 لن ترانی ؛ رؤف رحیم ۹  
 رؤف رحیم کی شاعری ؛ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی ۱۱  
 رؤف رحیم کی طنز و مزاح شاعری { ڈاکٹر محمد علی اثر ۱۵  
 رؤف رحیم کی شعر گوئی ؛ نواب محمد نور الدین خاں ۱۶

## غزلیں

- ۱: ہے خواہش اُن کی میک آپسے مثالِ خور ہو جانا ۲۳
- ۲: ہر کوئی اب شکار ہے آشوبِ چشم کا ۲۴
- ۳: میں بیکاری میں مالک بن گیا کتنی ہی کاروں کا ۲۵
- ۴: اصلی چہرے کا جو اندازہ نہ تھا ۲۶
- ۵: مجھ سے لے کر غرضِ صغیر پونا گیا ۲۷
- ۶: گھر کے باہر گھر کے اندر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے ۲۸
- ۷: نیت کی ذات سے تو بُرائی نہ جائے گی ۲۹
- ۸: جو گرمِ عشق ہے اس کو لہا دو برف کی سل پر ۳۰
- ۹: عبورِ اتنا ہے لیڈر کو اپنے مکہ کے فن پر ۳۱
- ۱۰: محفل میں جب بھی مرے اشعار چل گئے ۳۲
- ۱۱: چالو سی کو بھی تشبیر کا زینہ سمجھو ۳۳
- ۱۲: کبھی تو ناز سے لوٹا کبھی اداؤں سے ۳۴
- ۱۳: اس طرح مجمع کو اطراف لٹھا کر رکھنا ۳۵
- ۱۴: جا کے گاؤں میں اپنے شعر یوں سناتے ہیں ۳۶
- ۱۵: چمکے ہیں مقدر بھی کیسے جھاڑو تاروں کے ۳۷
- ۱۶: رُلا رہے ہیں مرے سر سے گر کے بال مجھے ۳۸
- ۱۷: اسٹیل ہول مجھ کو ڈر سے سروکار ہی نہیں ۳۹
- ۱۸: بھوت لالوں کے نہیں مانتے سمجھانے سے ۴۰
- ۱۹: شہرت کی جورا میں ہیں وہ دشوار بہت ہیں ۴۱
- ۲۰: وعدہ کرنا تو دینا یہ تو لا چاری نہیں ۴۲
- ۲۱: ہم ان کے ستم کو بھی کرم بول رہے ہیں ۴۳
- ۲۲: اس طرح شامل مجھے جوے میں ہونے دیجئے ۴۴
- ۲۳: گھسیلا ہے گھسالا ہے حوالہ بھی یہاں ہے ۴۵
- ۲۴: ہے چالو سی مزاج بیخ بوست سوز میں سار میں ۴۶
- ۲۵: خوروں کو ڈھونڈتی ہے مسلسل نظر بھی ۴۷
- ۲۶: غزلِ اخبار میں میری بھی ہے ۴۸
- ۲۷: آدمی میں اس قدر اب شوخی افکار ہے ۴۹
- ۲۸: لوگ جو بے ضمیر ہوتے ہیں ۵۰
- ۲۹: حسینوں میں مرا چرچا بہت ہے ۵۱
- ۳۰: ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اس کی ہمت ہے ۵۲
- ۳۱: دو دنوں کے آپس کے کا کوئی نکال نہیں ۵۳
- ۳۲: یہ انسٹرولوں میں پوچھا اچھی سے ۵۴
- ۳۳: ڈکیروں کی ٹولیاں اور وہ بھی اس لیے ۵۵
- ۳۴: چلا ہے عشق کا چکر وہیں سے ۵۶
- ۳۵: سبکی ہے آٹھ آٹھ پہر تک نہ آئے گی ۵۷
- ۳۶: بزمِ عشرت میں مکاں کا ذکر کیا ۵۸
- ۳۷: ہم نے ہنس ہنس کے جو لٹائی ہے ۵۹
- ۳۸: کس طرح سے آئے کا کھجور کو لطف سجدے کا ۶۰
- ۳۹: میں نے یہ کب کہا ہے کفایتِ شعار ہوں ۶۱
- ۴۰: ہمارے دل کی دشمنی دلربا ہونے نہیں پاتی ۶۲
- ۴۱: فیصلہ خوب یہ سرکار کیا کرتی ہے ۶۳
- ۴۲: ارتراؤ نہ نوشتہ اُسے سمجھو نہ مُنادی ۶۴
- ۴۳: مرے آگے کوئی ٹکٹا نہیں ہے ۶۵
- ۴۴: جلتی ہے میری بیوی پڑوسن کو دیکھ کر ۶۶



۴۵: ہے عام جو رہائی گنہگار کے لیے ۶۸

۴۶: بہت کچھ یاد رکھنے پر بھی اکثر بھول جاتا ہوں ۶۹

۴۷: ہماری عرض بس اتنی ہے خدمت میں کنواروں کی ۷۰

۴۸: اب اُن کی زلف کہاں ہم گویا دآنے کی ۷۱

۴۹: شعر اوروں کے چڑا کر کبھی ہم پڑھتے ہیں ۷۲

۵۰: ہمارے عشق کی رُوداد مختصر بھی نہیں ۷۳

۵۱: ہیں ردائے مفلسی تانے ہوئے ۷۴

۵۲: چھوڑے گامچے کیسے خرافات کا چھوڑو ۷۵

۵۳: بنائی فلم کچھ ایسی میں صدتے جاؤں فیشن کے ۷۶

۵۴: داد ملتی ہے جو مجھ کو یہ کرم کس کا ہے ۷۷

۵۵: رہتا ہے جو شوہر یہاں بیگم کے اثر میں ۷۸

۵۶: مجھے داد کیوں ملے گی اب سسھی سامعین کرام ۷۹

۵۷: چین سے امن سے رہنے کا ہنر رکھتے ہیں ۸۰

۵۸: سہانے خواب دکھاتے ہیں حکمران کیا کیا ۸۱

۵۹: پریم کا نو زمان کریں گے ۸۲

۶۰: بات معشوق کی اب نہ کر ۸۳

۶۱: نہ بڑھ سکے کبھی دلبر سے رابطے ٹوٹے ۸۵

۶۲: کبھی کبھی یہ حسیں حادثات ہوتے ہیں ۸۶

۶۳: یہ انقلاب ہوا تو ہوا بس کیسے ۸۷

۶۴: لمبے درہوں مصلحت سے چلاتا ہوں اپنا کام ۸۸

۶۵: مرضی ہے یہ اب ان کی جزا دیں کہ سزا دیں ۸۹

۶۶: ہم تو ٹھہرے سدا کے ہوئے ہی ۹۰

۶۷: شاعر ہمارے دور کے متجارب ہو گئے ۹۱

۶۸: نام مشہور جو ہمارا ہے ۹۲

۶۹: اب یہ تاک بندوں کی کثرت نہیں دکھی جاتی ۹۳

۷۰: نہ یہ حادثہ ہے نہ یہ خود کشی ہے ۹۵

۹۴: انتخابات ہیں تیار خدا خیر کرے ۱۲۰

۹۵: وہ میرائی کمرے یا بھگائی کمرے ۱۲۱

۹۶: خاص خبروں کو چھپاتا ہے ہمارا ڈی وی ۱۲۲

۹۷: وہ قد کرتا بھی سے اور چھڑا بھی دتا ہے ۱۲۴



۹۷: نام ایسا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں ۱۲۵  
 ۹۸: بڑا اصل بدتماش نہ تھے بے جانا تھے ۱۲۶  
 ۹۹: دیا کلائی کی مانند گھس گھسا کے مجھے ۱۲۷  
 ۱۰۰: کب کس کے گھر میں آئے خُسر یہ خبر نہیں ۱۲۸  
 ۱۰۱: اک نرس کیا ملی کہ دوا خانا نہ مل گیا ۱۲۹  
 ۱۰۲: میرے ان کے لوٹ بندھن ہیں ۱۳۰

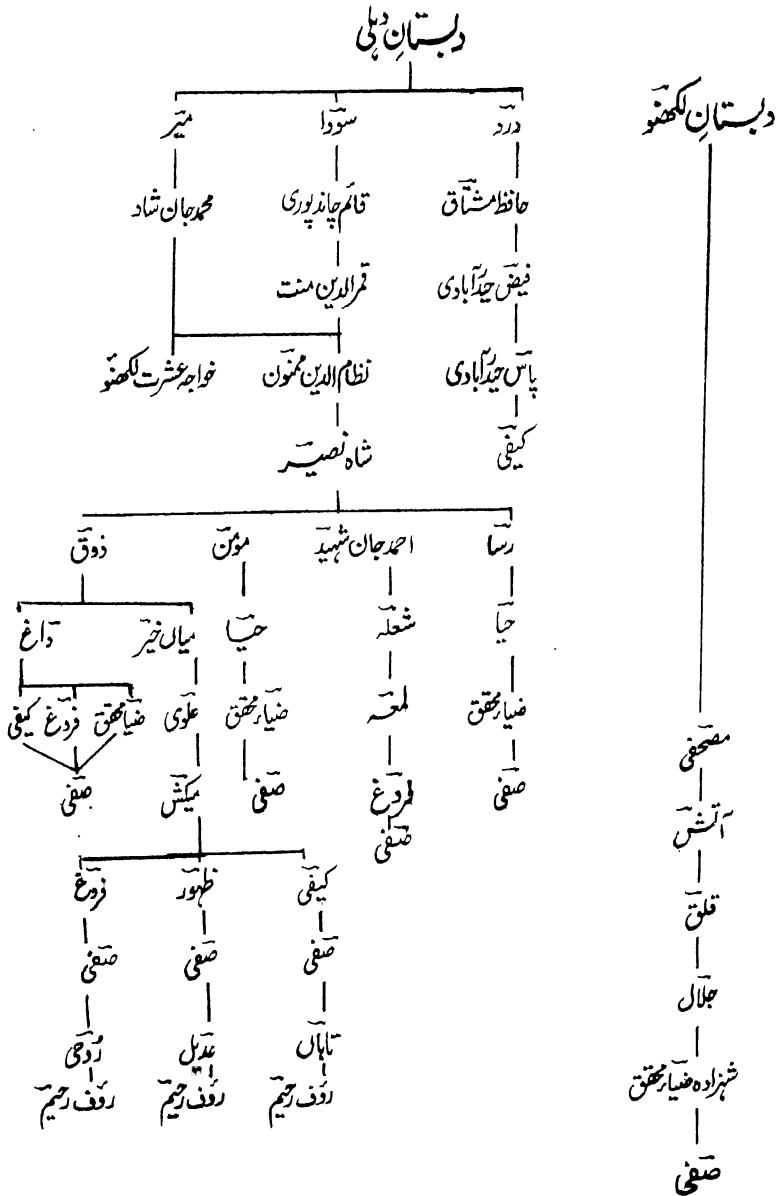
۱۰۳: بکرا بنے کے یوں مجھے مسلخ میں لانا دے ۱۳۱  
 ۱۰۴: کسی عزت نہ کسی آن سے وابستہ ہے ۱۳۲  
 ۱۰۵: عقد ایک قیدِ مسلسل ہے سمجھتا کیا ہے ۱۳۳  
 ۱۰۶: چہرہ ڈاڑھی کے ہوا مجھے منظور نہیں ۱۳۴  
 ۱۰۷: ہوا عاشقی میں کیسا میری عمر کا خسارہ ۱۳۵  
 ۱۰۸: اندھا ہے یہ ساؤن کا بجا بول رہا ہے ۱۳۶  
 ۱۰۹: گھسیلے گھڑالے اور مشاغلِ تنے تنے ۱۳۷  
 ۱۱۰: رونا تو ہر ایک شخص کی قسمت میں لکھا ہے ۱۳۸  
 ۱۱۱: چین دن کا نیند راتوں کی ترٹی ہونے لگی ۱۳۹  
 ۱۱۲: کس سلیقے سے وہ چوہٹ مجھے کر دیتا ہے ۱۴۰  
 ۱۱۳: میں شاعر ہوں تو یہ میرا بھرم ہے ۱۴۱

۱۲۵: اُن کا میرا مقابلہ کیا ہے ۱۵۴  
 ۱۲۶: سمجھی کو خوف یہاں ماسٹرِ یان کا ہے ۱۵۵  
 ۱۲۷: بکواس بھی جب کی ہے تو اُس شان کی ہے ۱۵۶  
 ۱۲۸: دُوم دار ستارے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے ۱۵۷  
 ۱۲۹: داد و اب پاؤں نہ کیوں سارے سخیانوں سے ۱۵۸  
 ۱۳۰: پسِ پشت :

ڈاکٹر مصطفیٰ اکمال ۱۵۹



# حضرت صفی اورنگ آبادی کے اساتذہ کا شجرہ (بہ صراحت تلامذہ)





## لسنِ سرائی

قارئین کرام! میرا چوتھا شعری مجموعہ ”لُک جھونک“ آپ کے زیرِ مطالعہ ہے جو طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ کچھ زاہد خشک حضرات مزاحیہ شاعری کو سفلی عمل سمجھتے ہیں لیکن میری دانست میں کسی رونے کو ہسانا ثوابِ جاریہ سے کم نہیں یہ کوئی فتویٰ نہیں۔ ویسے آج کل مفتیاں بھی حسبِ ضرورت فتویٰ صادر کرتے ہیں ے

انقلاب آیا تو یہ ہے مفتیوں کا حالِ زار

پسے حق کے واسطے حق اب ہیں باطل کے لیے

میرا تعارف میرے گزشتہ تینوں مجموعہ ہائے کلام ”بساطِ دل“، ”خدا خیر کرے“ ۱۹۹۲ء، ”نشاطِ الم“ ۱۹۹۶ء میں ہو چکا ہے سوانح کو بدلنا نہیں جاسکتا پھر بھی یاد دہانی کے لیے عرض ہے کہ میں ۱۰ جون ۱۹۵۲ء کو حیدر آباد دکن کے ممتاز شاعر حضرت شمس الدین ناہاں کے گھر پیدا ہوا۔ ادبی ماحول نے شاعر بنا دیا اور ۱۹۶۷ء سے شاعری کا آغاز ہوا ۱۵ اگست ۱۹۶۷ء کو پریوڈی اخبار ”سیاست“ میں شائع ہوئی تب سے تادمِ تحریر مزاحیہ کلام، سنجیدہ کلام، نعتیہ کلام، مزاحیہ مضامین، سنجیدہ مضامین، ڈرامے، افسانے، تنقید و تبصروں کے علاوہ مشاعروں میں شرکت کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۸۷ء میں نحر الدین علی احمد سمیوریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون سے ”بساطِ دل“ شائع ہوئی اور ”لُک جھونک“ کو بھی مالی تعاون سے نواذ کر کٹی نے میری ہمت افزائی فرمائی۔ ”بساطِ دل“ کو لے پی اردو اکیڈمی نے انعام کا مستحق قرار دیا۔ ۱۹۹۲ء میں طنزیہ و مزاح پر مشتمل مجموعہ کلام ”خدا خیر کرے“ اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا اُسے بھی انعامِ دوم سے نوازا گیا۔ نیز تبلیغِ مجموعہ ”نشاطِ الم“ ۱۹۹۶ء بھی



اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا۔ اس طرح ہمت افزائی نے چوتھے مجموعہ کی حافقت پر اکسایا۔ چونکہ ادب میں فیملی پلاننگ کا رواج نہیں اس لیے چوتھا مجموعہ آپ کے روبرو ہے۔

میری ذہنی تربیت والد مرحوم حضرت محمد شمس الدین تاناں نے کی جو حضرت صفی اورنگ آبادی کے شاگرد رشید تھے حضرت تاناں کے انتقال (۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء) کے بعد حضرت صفی کے ایک اور شاگرد ماہر عروض حضرت سید نظیر علی عدیل کی شاگردی نے میدان شعر و ادب میں قدم جمائے رکھنے میں مدد کی پھر ان کے انتقال (۱۹۹۶ء) کے بعد استاد شاعر حضرت روحی قادری کے آگے زانوئے ادب تہہ کئے ان تمام بزرگوں کی دعاؤں سے آج با اعتماد شعر کہنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تقریباً طرچی مشاعروں میں شرکت کے مواقع نصیب ہوتے ہیں۔ مشاعرہ بازی اور انجمن سازی کا چمک ہے۔ ادبستان دکن، بزم حکمت سخن کا معتمد زندہ دلاں حیدر آباد اور بزم قادریہ کا شریک معتمد ہوا۔ بیرون حیدر آباد اور حیدر آباد کے تقریباً مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں اور اخبار میں نام اکثر کہیں نہ کہیں چھپ جاتا ہے۔

نام اپنا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں  
ہم فقط اس لیے اخبار پڑھا کرتے ہیں

یہی کوشش رہتی ہے کہ طنز و مزاح میں بھی ادب کا دامن چھوٹنے نہ پائے اور اتبدال سے دامن بچاؤں۔ اس میں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں آپ لوگ جھونک پڑھ کر تبصرہ کر سکتے ہیں۔ آخر میں میں فخر الدین علی احمد سمیوریل کیٹی حکومت ~~آندھرا پردیش~~ لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میرے مجموعہ کلام کو مالی تعاون سے نوازا کہ آپ کے روبرو پیش کرنے کا موقع عطا کیا۔ نیز ڈاکٹر مصطفیٰ الحمال مدیر شکوہ، ڈاکٹر رحمت یوسف زئی ڈاکٹر محمد علی اثر کے علاوہ نواب محمد نور الدین خاں صدر ادبستان دکن اور جناب محبوب انجم کا مشکور ہوں جن کی قیمتی اراء اور نیک مشوروں نے ہمت افزائی فرمائی۔

روح رحیم  
مصنف



## روف رحیم کی شاعری - ایک جائزہ

۱۸۔ میں محبوں کو رکھپوری کے برادر نشستی کی بدولت مجھے علیگڑھ جانے کا اتفاق ہوا اور محبوں صاحب کے مکان پر شام کو منعقد ہونے والی نشستوں میں بیٹھنے کا موقع ملا ایک دن کسی ادبی مسئلہ پر بات کرتے ہوئے محبوں صاحب نے کہا تھا کہ انسانی اظہار کے تمام ذریعوں میں سب سے اہم اور مؤثر ذریعہ شاعری ہے۔ اسی بات کو اپنے ایک مضمون میں وہ اس طرح لکھتے ہیں :

”فنون لطیفہ کی سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور سب سے زیادہ لطیف صورت ادب یعنی الفاظ کا فن ہے جو سنگ تراشی اور مصوری کے بعد وجود میں آیا اور ادب کا سب سے زیادہ قدیم سب سے زیادہ فطری اور سب سے زیادہ مقبول عام شکل شاعری ہے اور شاعری کی سب سے زیادہ بے ساختہ اور سب سے زیادہ پاکیزہ صنف وہ ہے جس کے لیے فارسی اردو میں عربی لفظ ”غزل“ استعمال ہوتا ہے۔“

(محبوں کو رکھپوری شعر اور غزل مثنوی اردو شاعری کا فن ارتقاء ۳۵ مرتبہ فرمان فتح پوری) دکن میں صفی اور نگ آبادی نے غزل کی جس روایت کو پروان چڑھایا وہ رہتے زمانے تک یقیناً یادگار ہے انھوں نے روزمرہ اور محاوروں کو اس خوبی سے برتنا کہ ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہو گئے، صفی کے شاگرد رشید شمس الدین تاباں کے فرزند روفا رحیم نے غزل کے گلستان میں خوش رنگ پھول کھلا کر غزل کی بے ساختگی اور



پاکیزگی کو مہکا دیا۔

فن کار اپنے آپ کو کسی دائرہ میں مقید نہیں رکھ سکتا اس کے سنبھلنے کے لیے  
بیکراں چاہئے۔ شاید اسی لیے رؤف رحیم نے اپنے آپ کو صرف سنجیدہ شاعری تک  
نہیں رکھا بلکہ طنز و مزاح کے میدان میں خود کو اس طرح منوالیا کہ اب ان کی مزاحیہ وطن  
شاعری کا دوسرا مجموعہ ”لوگوں جھونک“ پھیننے کے لیے تیار ہے۔

جہاں تک سنجیدہ شاعری کا معاملہ ہے رؤف رحیم نے بساطِ دل کے عنوان سے  
اپنا پہلا مجموعہ ۱۹۸۷ء میں شائع کیا اہم بات یہ ہے کہ اس پر فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی  
لکھنؤ نے گراں قدر رتنی تعاون دیا۔ رؤف رحیم کی فکری سطح کا اندازہ اس شعر سے لگا  
جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں :

لولو جیسے غریب اک جوان بیوہ ہو : اُداس یوں ہے شبِ ماہِ تابِ دلی میں  
ہو سکتا ہے کہ نقادانِ ادب کی نظریں اس شعر کا خیال مجاز سے لیا گیا ہو لیکن تشبیہ کا  
بہر حال بے مثال ہے۔

”بساطِ دل“ رؤف رحیم کا پہلا مجموعہ ہے جس میں رطب و یاس بھی کچھ شامل ہے پھر بھی  
کلاسیکی روایات کی پاسداری اس مجموعہ کا وصف ہے۔ رؤف رحیم کا دوسرا مجموعہ  
”نشاطِ الم“ ۱۹۹۶ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس میں رؤف رحیم کافی ترقی کے زینے طے  
کرنا نظر آتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے :

یہ علامت ہے کہ سورج ہے تنزل کی طرف اپنے قد سے جو بڑا ہو گیا سایہ اپنا  
رؤف رحیم اپنی سنجیدہ شاعری میں بھی طنز کے تیر برسانے سے باز نہیں آتے وہ خود پر  
دار کرتے ہیں لیکن وہ وار ہر دل میں اتر جاتا ہے کہتے ہیں۔

اپنے چہرے پہ کئی چہرے چڑھا رکھے ہیں : مجھ سے خود اپنا ہی چہرہ نہیں دیکھا جاتا  
اسی غزل کا ایک اور شعر ہے :

خود نہائی ری آنکھوں میں بی ایسے : اب کوئی پھولتا پھلتا نہیں دیکھا جاتا  
ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں :

اُونچا بہت اُٹھا : اگر کوہِ آہ ہے : خود اپنے ہی ٹوٹ کے بکھر بھی جاتا



اور یہ شعر بھی دیکھئے

ہر وقت ہی ڈنک اس کارہامیری انا یہ نفس تو میرا مجھے کچھ نظر آیا !  
نیرنگی زمانہ کی بدولت شاعر کی مجبوریاں اسے یہ بھی کہنے پر آمادہ کرتی ہیں کہ  
لا نہیں سکتا کھلونا کسی بچے کے لیے اور اتری ہوئی صورت نہیں دیکھی جاتی

لیکن رُوف رحیم کی شاعری کا کمال دیکھنا ہو تو ان کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو سامنے  
رکھنا ضروری ہے۔ یہ دراصل معاشرے کے عدم توازن پر ایک ردِ عمل ہے جو قاری  
کو ایک طرف مسکرانے پر مجبور کرتا ہے تو ساتھ ہی ایک سرد آہ بھی سینے سے اُبل پڑتی ہے۔  
طنز کے نشتر سماج کے امور پر چلتے ہیں تو اذیت ہوتی ہے لیکن اس اذیت کے پس  
پشت مسائل کا ادراک ان نشتروں کی افادیت کو پیش کرتا ہے۔ رُوف رحیم کے ہاں طنز  
اور ظرافت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ جدت پسندی پر یہ خوبصورت طنز دیکھئے۔

جدت کی کھاد بکڑ کو ہوجائے گرنصب کھیتوں میں آفتاب اُگاتے رہینگے ہم  
رُوف رحیم کا طنزیہ اور مزاحیہ شاعری پر مشتمل مجموعہ کلام ”خدا خیر کرے“ غالباً ۱۹۹۲ء میں شائع  
ہوا تھا غالباً اس لیے کہ اس مجموعہ کلام میں کہیں بھی سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن اس  
کتاب میں شامل ڈاکٹر مجید بیدار کے پس و پیش لفظ کے آخر میں مضمون تحریر کرنے کی تاریخ ۱۲ نومبر  
۱۹۹۱ء درج ہے اس لیے طباعت کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔  
کہ یہ مجموعہ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا ہوگا۔ واہی رضا نقوی نے رُوف رحیم کی اس مجموعہ میں شامل شاعری  
کو FORWARDING STAGE میں بتایا ہے ظاہر ہے کہ اس میں ترقی کے امکانات  
بھی ہیں۔ واہی صاحب ہی کے مطابق ان کا (رُوف رحیم کا) مشاہدہ گہرا ہے اور معاشرے  
پر گہری نظر ہے موجودہ دور کے سماجی سیاسی اور معاشی حالات سے انھیں فکری آگہی  
حاصل ہے۔“ (رُوف رحیم کی ظریفانہ شاعری مضمونہ خدا خیر کرے ص ۱۷)

طنز و مزاح کا ایک بنیادی وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سماج کی بنیادیں مستحکم  
ہوتی ہیں۔ تخلیقی فنکار خوابوں کی دُنیا کا مسافر ہوتا ہے وہ اپنے خوابوں کو لفظوں کا روپ  
دے کر ادب تخلیق کرتا ہے لیکن تخلیقی فنکار کی حس مزاح اگر طاقتور ہو تو خوابوں کی لفظی تشکیک  
میں طنز و مزاح کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے کارٹونوں میں آرٹسٹ کی فکری بلندی چھلکتی ہے



بالکل اسی طرح طنز و مزاحیہ شاعری میں شاعر کی ذہنی اُچک کے ساتھ ساتھ اس کی فکری  
افساد بھی دیکھی جاسکتی ہے رُوفِ الرحیم کی سنجیدہ شاعری سے زیادہ مؤثر میرے خیال میں  
طنز و مزاحیہ شاعری ہے یہاں وہ ہنسی ہنسی میں ایسی چھینے والی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ ان  
کی کسک دیر تک باقی رہتی ہے رُوفِ الرحیم کا مجموعہ ”لوک جھونک“ ایسے ہی کلام پر مشتمل  
ہے جس میں ہنسی ہنسی میں ہی سماج اور قوم کے بخیلے ادھیڑے گئے ہیں۔ کچھ شعر دیکھئے جن  
میں لیڈروں پر گہرا طنز ہے۔

نا خدا دیش کے گھیلوں میں رہیں ہوشال      دیش کا ڈوب ہی جا کا سفینہ سمجھو  
لیڈر ہوں مجھ کو ڈر سے سروکار ہی نہیں      اب عیب ہے ہنر سے سروکار ہی نہیں  
جس سے ملے جہاں سے ملے لوٹا ہوں      لیڈر ہوں خیر و شر سے سروکار ہی نہیں  
کبھی وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔

وعدہ کرنا توڑ دینا یہ تو لا چاری نہیں      پوچھتا ہوں لیڈروں سے کیا یہ سکاری نہیں  
ایک ذکی الجس فن کار اپنے ماحول سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے لفظوں میں  
ڈھال کر اپنے قاری کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ رُوفِ الرحیم کے ہاں ہر تازہ حادثہ شعر میں  
ڈھل جاتا ہے۔ بھلے ہی اسے وقتی اظہار کہہ لیا جائے لیکن اس وقتی اظہار میں عصر کی تاریخ  
پوشیدہ ہے۔ آنے والے دور کا قاری اور نقاد جب تہذیبی سماجی اور سیاسی نقطہ نظر سے  
آج کے عہد کا مطالعہ کرے گا۔ رُوفِ الرحیم کے اشعار سے اسے وہ سب کچھ مل جائے گا  
جو آج کے دور کی خصوصیت ہے اور شاید یہ بات رُوفِ الرحیم کو ہمیشہ زندہ رکھے۔

ڈاکٹر رحمت یوسف زئی

رہبر شعبہ اردو  
یونیورسٹی آف حیدرآباد



## رؤف رحیم کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری

آج سے دس پندرہ سال قبل حیدرآباد کے آسمانِ شاعری پر جو کہکشاں نمودار ہوئی ہے اس میں رؤف رحیم ایک روشن اور درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ادبی شخصیت متنازع اور سیلو دار ہے وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں اور سنجیدہ بھی۔ یہی حال ان کی نثر نگاری کا ہے۔ مزاحیہ اور سنجیدہ مضامین کے علاوہ انھوں نے افسانے اور ڈرامے بھی لکھے ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی شہرت اور نام وری کا دار و مدار نثر نگاری پر نہیں بلکہ شاعری پر ہے۔

رؤف رحیم دبستانِ صفی کے ممتاز سخنور شمس الدین تاباں کے فرزند ارجمند ہیں۔ اس اعتبار سے شاعری کا ذوق انھیں ورثے میں ملا ہے لیکن یہ بات لائقِ ستائش ہے کہ انھوں نے اپنے اس آبائی ورثے پر پُر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے ذاتی ذوق و شوق کی نہائی اور شوق و مزاولت کے ذریعے دکن کے طنز و مزاح نگاروں کے ہجوم میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ رؤف رحیم کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مزاح نگاری کے لیے انھوں نے نہ تو بول چال کی دکنی یا دہقانی زبان کو ذریعہ بنایا اور نہ ہی مزاحیہ انداز کا تخلص اختیار کیا۔ ایک طرف وہ شاعروں کے مقبول شاعر ہیں تو دوسری طرف حیدرآباد کی مختلف اور متعدد ادبی و تہذیبی انجمنوں کے سرگرم کارکن بھی ہیں۔ ان کی پیرگویی کا اور قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ ایک مختصر سے عرصے میں پانچ کتابوں کے مصنف اور مرتب بن چکے ہیں۔ رؤف رحیم کی سنجیدہ شاعری کے اب تک دو مجموعے ”بساطِ دل“ اور ”نشاطِ الم“ نے اور مزاحیہ شاعری کا ایک مجموعہ ”خدا خیر کرے“ منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں



اپنے والد مرحوم شمس الدین تاباں اور دادا استاد صفی اور نگ آبادی کے مجموعہ ہائے کلام بالترتیب ”زنجیر و زنار“ اور ”گلزار صفی“ کے نام سے مرتب کر کے شائع کئے ہیں۔ پیش نظر مجموعہ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ طنز و مزاح دیگر شعراء کی طرح ان کی شاعری محض تک بندی یا قافیہ پائی نہیں ہے! انھوں نے صرف یہ کہ اپنے والد محترم حضرت تاباں اور فیض علی ندوی جیسے باکمال اساتذہ فن کے آگے زانو سے ادب تہہ کر کے رموز شعر و سخن سے کما حقہ آگہی حاصل کی ہے بلکہ ہمارے کلاسیک شاعروں کا بھی توجہ اور انہماک سے مطالعہ کیا ہے اس لیے وہ بڑے اشداد اور فخر سے کہتے ہیں:

یونہی نہیں سمجھتے ہیں مرے نام کے ڈنکے دن رات کی یہ جہل مسلسل کا جلد ہے  
کیا یہ لوہے کے چنے ہیں کہ چبا ہی سکیں شاعری کو تو مرے یار چبیدہ سمجھو  
ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اسکی ہمت ہماری شاعری میں سارا استادوں کی موت  
مجھے داد کیوں دیلگی اب مجھے سامعین کلام کبھی استفادہ صفی سے کبھی ہے جگر کے کلام  
روقتِ ایتیم کے مزاج میں تنوع اور مضامین کا دائرہ وسیع ہے روزمرہ زندگی کے مضحک  
زاویے تلاش کرنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل ہے سماجی ناہمواری سیاسی دہشت گردی  
ملہبی اجارہ داری، فنکاروں کی قدرنا شناسی، سکا تہوں کی ستم ظریفی، غرض روزمرہ کے واقعات  
و مسائل کو وہ نظر کا زاویہ بدل کر دیکھتے ہیں اور انھیں میں سے مزاج کے پھول چن لیتے ہیں۔

جب ہم گلے ملے تو ہو پاکٹ ہی لایہ دیکھا نہیں ہے آپ نے میرا ہنر ابھی  
ہم دھماکے سے اڑانے کا نہیں ریوٹ اور تم جیبوں میں خنجر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے  
بیٹی جو لڑھے شیخ کو دے دی تو کیا ہوا؟ بنگلہ خسر کو سالے کو دھنگا نہ مل گیا  
مجھ کو کہاں لے دوست غم روز کا ہے شکرِ خدا مرید مرا مالی دار ہے  
شاعر کی ہے اُلٹی قسمت مرنے پر سمان کریں گے

بیرونی شاعروں پہ لگاتے ہیں سیم دزد : اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چلے پان پر  
کاتب ہوں کسی دور کے ٹلے سے کہیں : وہ چاہیں تو محروم کو مرحوم بنا دیں  
سجلی ہے آٹھ آٹھ پہر تک آئے گی : جاوے گی شام سے تو سحر تک آئے گی



اسے اندھیرنگری چوٹ راج کہتے ہیں یہاں بے قاعدہ بھلی ہے نوپانی کی قلت ہے  
اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری کو مغرب زدگی کے خلاف ایک نرے کے طور پر  
استعمال کیا تھا اور انھوں نے طنز و مزاح پیدا کرنے کے لیے انگریزی الفاظ کے فردوں  
استعمال سے بڑا فائدہ اٹھایا تھا روف رحیم نے اکبر کی طرح بہ کثرت انگریزی الفاظ کو  
استعمال نہیں کئے ہیں لیکن گاہے گاہے ان الفاظ سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔  
ذیل کے اشعار ان کی فنی چابکدستی اور مہارت کا پتہ دیتے ہیں۔

کیسی تقدیر میں نے پائی ہے      و اچ ان کی میری کھلائی ہے !  
میرے پیچھے ٹریفک جھنکی رہتی ہے روزانہ      کھلا رکھ کر جو اپنا انڈیکس بھول جاتا ہوں  
مری نظریں تو لگی رہتی ہیں بس دیکھ کر      ہے وہ برسی کہ ولیمہ نہیں دیکھا جاتا  
تمہاری بزم بھی ایسی ہے اپنا گھر جیسے      بریک فاسٹ نہیں لے لے اور ڈنر بھی نہیں  
خاص خبروں کو چھپاتا ہے ہمارا ٹی وی      انٹرپرائز ہی بتاتا ہے ہمارا ٹی وی  
مراشوز ہے جو نیا نیا ہے اسی میں دل یہ      میں ہزار سجدہ کروں تو کیا نہ لگے کا دل یہ نازیں  
روف رحیم نے اپنے طنزیہ اور مزاحیہ کلام کے ذریعہ موجودہ سماج میں پھیلنے والی  
برائیتوں کی طرف بھی اشارہ کئے ہیں اور اس طرح فیشن کے نام پر مغربی تہذیب کا انحصار  
تقلید کے زیر اثر سماجی اور معاشی ناہمواری، عریا کاری اور بیہودگی کا پردہ چاک کر کے  
کوشش کی ہے۔

زلفیں کٹی ہوئی ہیں تو بازو میں بے لبا      چڑیا وہ ایسی ہے کہ جسے بال دیر نہیں  
بال چھوٹے جسم پر جیسی ہے تنگ اور جیس ہے      جس میں عورت میں نہیں ہے سچ ہے وہ ناری ہے۔  
کب تلک گودیں کتوں کو کھلاو گی      اپنے بچوں کو بھی کچھ دیر اٹھا کر رکھنا  
عورت کی طرح مرد بھی ڈالے ہیں چوٹیاں      آئی ہے شرم آج کے فیشن کو دیکھ کر  
دیکھتے ہیں سب ملکر لوہے کی ٹی وی پر      رہ گیا ہے پردہ میں اب حجاب پر ڈے کا  
ٹی وی کی تربیت نے کیا ہے بڈا نہیں      بچے ہمارے ایسے کبھی بے حیا نہ تھے

حیدر آباد شاعر دل کا شہر ہے بکل ہندو شاعروں سے قطع نظر یہاں ہر روز کہیں  
نہ کہیں محفل مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آتا ہے لیکن یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ یہاں شعروں



کی خاطر خواہ سرپرستی اور قدر افزائی کرنے والا کوئی نہیں شعراء اور اہل فن واہ واہ او  
سُبْحَانَ اللہ کی دولت سے مالا مال ہیں لیکن سکون اور آسودگی سے یکسر محروم۔ ان کی  
مغلی اور زبوں حالی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد شاعروں کی  
لیے ان کی تخلیقات ہی گزربسر کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک شاعر ہونے کے ناتے رُوڈ  
نے ان حقائق کی ترجمانی اور حکمتی برے موثر انداز میں کی ہے ملاحظہ کیجئے :

گر رہا ہوں شاعری کے مہر کے سرے تجم گھر میں اُٹا دال حیا دل اور ترکاری بنیر  
ہر روز ہوا کرتی ہے، اک شعر کی محفل لگتا ہے کہ اس شہر میں بیکار بہت ہیں  
ایک سگریٹ کی ڈبی کے غوصی دُغزلیں سودا ایسا ہے تو خود سوچئے ہنگا کیا ہے  
میں صورت سے نظر آتا ہوں شاعر مجھے لُٹنے کا اب خدشہ نہیں ہے  
رحیم اب تو بدل لے نام امینا کہ تیرے نام پر قرضہ بہت ہے  
حالیہ عرصہ میں ہمارے لیڈروں، نیاؤں اور سیاسی رہنماؤں نے چور بازار  
بدعنوانی اور رشوت ستانی کے میدان میں جو گل کھلائے ہیں ان کو حذف ملامت ہنڈ  
ہوئے رُوف رحیم نے ان گھیلوں اور گھٹالوں کے حوالے سے ان کی کرتوتوں پر طنز کے  
بھرپور وار کئے ہیں۔

مقتل بنے گا کیوں نہ ہمارا عزیز دلش رہن جو تھے وہ قافلہ سالار ہو گئے  
گھپلا ہے گھٹا ہے حوالہ بھی یہاں ہے بدعتی سرکار کی ہمت عیاں ہے  
دل فریب ہوتی ہیں رہنما کی تفتیریں وہ فریب دیتے ہیں ہم فریب کھاتے ہیں  
جو تھا بستی کا اک بڑا غنڈہ آج کل رہنما ہمارا ہے

”خدا خیر کرے“ سے ”لوک جھونک“ تک رُوف رحیم کا یہ شعری سفر صرف اُن کا  
مسلل محنت، مشق و مزدالت اور مطالعہ کی وسعت کا پتہ دیتا ہے بلکہ ان کی طنز  
اور مزاحیہ شاعری کے روشن امکانات اور تابناک مستقبل کی بھی غمازی کرتا ہے۔ رُوف رحیم  
کی لفظیات کا دائرہ وسیع ہے وہ الفاظ کی بندش اور حسی کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں ہر  
لفظوں کا استعمال اور لفظوں کی تکرار یا ان کے سوئی آہنگ سے پیدا ہونے والی جھکا  
سے استفادہ کرتے ہوئے وہ مزاح کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔



کسی ہرشد کسی مُرشد کا تو چچہ بن جا  
مرغ و ماہی سے کٹورے ترے بھر جائینگے

ہم پر اثر یہ دور گرانی کا ہے رحیم  
دعوت تو بے محل تھی مگر مع محل گئے

جو مرے دور کے لیڈر ہیں وہ گیدڑ تو نہیں  
کون کہتا ہے کہ قانون سے ڈر جائیں گے

ہر سمت رعایا میں ہے اب کرب کا عالم  
راعی پر اثر رانی برابر نہیں ہوتا

ڈاکٹر محمد علی اختر



محمد نور الدین خان

## رؤف رحیم کی شاعری

یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں کہ شاعر کا بیٹا شاعر ہی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ قسّام ازل نے شعر گوئی کی صلاحیت کا عطیہ جنابِ آباں کے فرزند رؤف رحیم کی قسمت میں لکھ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے اپنے شری ذوق کو پروان چڑھانے میں گھر کا شاعرانہ ماحول بڑا اثر انداز ہوا۔ رحیم نے بھی بڑی سمجھ بوجھ سے کام لیا۔ انھوں نے اس حقیقت کو سمجھا کہ شاعری ایک فن ہے اور اس فن کی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے کسی رہبر یا استاد کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ابتدا میں اپنے والد سے کلام پر اصلاح لی، پھر اس کے بعد دکن کے اساتذہ سخن جناب عدیل اور جناب راجی قادری سے مشورہ سخن کیا۔ یہی نہیں بلکہ صاحبانِ فن سے کچھ پوچھنے، سیکھنے اور سمجھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اغلاط کے خض و خاشاک سے پاک اور فن کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔ تاثر سخن صرف کسب سے یوں بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ بقول جناب صفی اورنگ آبادی ء

یہ دین خدا کی ہے صفی جس کو خدا کے

خدا کی اس دین کی جلوہ آرائی رؤف رحیم کے کلام میں نمایاں ہے۔ ان کی شاعری میں بھی فن ہے اور تاثر سخن بھی !

ان کی تعداد صلاحیت کا اعتراف کیے بغیر چار انہیں کہ نظم و نثر چاہے سنجیدہ ہو یا مزاحیہ، دونوں کے کہنے اور لکھنے کا انہیں سلیقہ بھی ہے اور ملکہ بھی اور آدمی سوچنے لگتا ہے کہ وہ سنجیدہ نگار ہیں یا طنز و مزاح کے قلم کار۔ ان کے سنجیدہ کلام کے مجموعے ”سابط دل“ ”نشاطِ اَلَم“ اور مزاحیہ شاعری کا مجموعہ ”خدا خیر کرے“ اس بات کے شاہد ہیں۔ یہ طرّف تماشہ ہے کہ مشاعرہ کی طرح میں ہمیشہ سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں غزلیں کہتے ہیں اور اہل ذوق سے



بھلا روف رحیم جنھیں اپنے والد مرحوم کا جذب و کیف ملا ہے، کیسے خاموش رہتے۔ اس نازک صنفِ سخن میں بھی بڑے مودبانہ اور عقیدت مندانہ منصبِ نعت گوئی سے عہدہ برآ ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ ”سہانا سفر“ زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تیار ہے۔

شاعر اور فن کار ہماری طرح سماج اور معاشرہ کا پروردہ ہے۔ اس لیے ان کے فن اور شاعری، خاص طور سے مزاحیہ شاعری میں سماج کی بُرائیوں اور اچھائیوں کا عکس جھلکتا ہے۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی اتنے مسائل ہیں جو دعوتِ فکر دیتے ہیں طنز و مزاح کی شاعری کا مقصد تفریح طبع نہیں ہے بلکہ طنز و مزاح کے خوشگوار اور دلپذیر لب و لہجہ میں سماج کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ ہنسی، ہنسی کے پرے میں اصلاحی کوشش ہے۔ اردو کے مزاح نگاروں نے اس فریضہ کو بہ حسن و خوبی انجام دیا ہے اور روف رحیم بھی ان کی تقلید میں قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ سیاسی بازیگری، گھریلو جھگڑے، شادی بیاہ میں گھوڑے جوڑے کے مطالبات، نئے نئے فیشن کے نظارے، کرکٹ کھیلنے کا جُھون، معاشرہ میں پھیلی ہوئی بُرائیاں، بے جا خوشامد، چاپلوسی، مسکاری، ریاکاری، مشیخت اور دھوکہ فریب وغیرہ سب ایسے موضوعات ہیں بلکہ معاشرے کے ایسے ناسور ہیں جنھیں دور کرنے سب ہی لگے ہوئے ہیں اور سب اپنی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں، کوئی نظم میں کوئی نثر میں۔ روف رحیم سماج سے الگ کب ہیں، شاعر کا دل مرہم سے نشتر زنی کرتا ہے۔ روف رحیم کی طنز و مزاح کی شاعری کے ہی موضوعات ہیں جن پر اپنے شعری اور فنی شعور کے ساتھ بڑی کامیابی سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا دنیا مجموعہ کلام ابھی زیرِ طبع ہے، اس لیے میں نے نہیں دیکھا، مگر امید ہے کہ نقشِ ثانی میں، ان کا رنگِ سخن اور نکھر ہوگا، ان کے مجموعہ کلام ”خدا خیر کرے“ سے چند اشعار لکھتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ کس خوبی سے انھوں نے سماج کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے۔

چار دن سُسرال میں رہ کر یں لوٹا اپنے گھر

چار دن کی چاندنی تھی، پھر اندھیرا ہو گیا

آیا ہوں دُوبئی سے تو یہ چاؤ ہیں میرے



بگلا بھگت ہی آج کے لیڈر ہیں سب کے  
 ویسے بہت خلوص کے پیکر ہیں سب کے  
 آج تو گھر گھر میں ٹی وی ہے خدا کے فضل سے  
 رفتہ رفتہ گھر ہمارے مٹی تھیلے ہو گئے  
 میں نے لڑکی جان کر چھیڑا اُسے  
 اُس کے فیشن پر مجھے دھوکا ہوا  
 ہمارے دلش میں بڑھتی گرائی دیکھتے جاؤ  
 ہوا کرتا ہے کیسے دودھ پانی دیکھتے جاؤ  
 ہم سے غم خواریاں نہیں اچھی  
 یہ اداکاریاں نہیں اچھی

سب کو ہے یہ تلاش کہ اک ایسا گھر ملے  
 لڑکی بھی خوب رو ہو جہاں مال و زر ملے  
 جنتا کو لوٹ کھاؤ نیا سال آگیا  
 پھر قیمتیں بڑھاؤ نیا سال آگیا  
 ہر گلی میدان کرکٹ کا بنی !

کھیلتا بولیں بھی تھت پرانوں

یہ رحیم صاحب تو کچھ عجیب شاعر ہیں  
 پڑ گئی انھیں عادت غم میں مسکرانے کی

میں رؤف رحیم کی طنز یہ، مزاحیہ اور نعتیہ شاعری سے نیک توقعات  
 وابستہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ان کے افکار سے سماج کو فائدہ پہنچے۔

(نواب) محمد نور الدین خاں

صدر اہلستان صغی بریادگار حضرت صفی اوندگ آباد



# غزل

ہے خواہش اُن کی میک آپ سے مثال حُور ہو جانا  
مگر ممکن کہاں کشمش کا پھیر اُن گور ہو جانا

ترا بچپن بھی دیکھا اور جوانی بھی ضعیفی بھی  
یہ ہے کیری سے آم اور آم سے آپ حُور ہو جانا

عبادت شیخ نے کی اور وہ بھی حُور کی خاطر  
اسے کہتے ہیں زاہد کافِ نافی الحُور ہو جانا

ہمارے دلش کی تو یہ روایت عام ہے لوگو  
بہو کا نان بننا، ساس کا تندور ہو جانا

غدو کی حرکتیں ایسی بھی دیکھیں ہم نے محفل میں  
سمجھ میں آگیا اُن کا لنگور ہو جانا

بڑا جو آدمی دیکھو، اُٹھاؤ انگلیاں اُس پر  
برائی سے بہت آسان ہے مشہور ہو جانا

رحیم اپنا تو مسلک ہے، غزل اپنی سُنّے کو  
اگر محفل غزل کی دُور سے بھی دُور ہو، جانا





ہر کوئی اب شکار ہے آشوبِ چشم کا  
ہر سمت اک بخار ہے آشوبِ چشم کا

چشمہ لگائے پھرتے ہیں اب ہو چشم بھی  
اُن پر کرارا وار ہے آشوبِ چشم کا

دُشمن تھا میرا، آنکھیں دکھاتا تھا وہ مجھے  
اب تو وہ دوست دار ہے آشوبِ چشم کا

سے تو ان میں اور ہی کچھ نشہ تھا مگر  
آنکھوں میں اب خمار ہے آشوبِ چشم کا

چہرہ دکھائی دیتا نہیں صاف اب کوئی  
آنکھوں میں اک غبار ہے آشوبِ چشم کا

کمزار ہے ہیں ہم سے ملانے کو وہ نظر  
آنکھوں پہ ایسا وار ہے آشوبِ چشم کا

ہم تار تار آنکھیں لڑاتے تھے اے حیم  
اب حملہ بار بار ہے آشوبِ چشم کا





میں بے کاری میں مانک بن گیا کتنی ہی کاروں کا  
ہوا ہے جب سے پیشہ سترہ میرے باز یاروں کا

نشہ بندی کیٹھ جائے گی اور ہم پھر سے دیکھیں گے  
چھلکتا ساغرو سسے کا اچھلنا بادہ خواروں کا

براہِ راست اب ہوتے ہیں غمزے حسن والوں کے  
نہیں ہے عاشق و معشوق میں دور اب اشاروں کا

میں جب لیڈر نہیں تھا ٹوٹی پھوٹی ایک سیکل بھی  
ہوا لیڈر تو میلہ سچ گیا ہے گھر پہ کاروں کا

بناتے ہیں وہ مجھ کو صدر، مہمانِ خصوصی بھی  
شعورِ نکر و فن جا کا ہوا ہے جن اداروں کا

تواضع کیجئے میری ہمیشہ مرغِ دما ہی سے  
کہ میں دلدادہ ہوں آبِ رواں کا مرغزاروں کا

حسبِ اپنے قدم آگے وہاں سے بڑھ نہیں سکتے  
جہاں پر بھی نظر آتا ہے ٹھہرٹ ماہ پاروں کا





اصلی چہرے کا جو اندازہ نہ تھا  
پتھر ننگی، اُس پہ جب غازہ نہ تھا

سب کی باسی غزلیں ہم نے جھیل لیں  
جب کلام اپنا کوئی تازہ نہ تھا

کیسے پختا پڑھ کے سرتے کی غزل  
بھاگنے جو چور دروازہ نہ تھا

گرمیوں میں، میں پسینہ پی گیا  
پاس جب لمکا نہ تھا مازہ نہ تھا  
MAAZA LIMCA

ہم ہی قربانی کا بکرا بن گئے  
جب وہاں کوئی تروتازہ نہ تھا

جُرم پر وہ جُرم کرتے ہی رہے  
جب مھگتنا اُن کو خمیازہ نہ تھا

میری آمد پر وہ کہتے ہیں رحیم!  
بزم میں اک مُلا دُپیازہ نہ تھا





مجھ سے لے کر قرض ۛ پور نہ گیا  
وہ لگا کر مجھے بھی چونا گیا

زنِ ثریدا ہے میری فطرت میں  
میں کبھی بھی خِلافِ خو نہ گیا

یو چھتے کیا ہو شیخ کا تقویٰ  
میکدے میں بھی بے وضو نہ گیا

رنگ بھرتے ہیں شعر میں استاد  
اپنا اک قطرہ لہو نہ گیا

خواب میں اُن سے گھر میں گھس بیٹھا  
ہوش میں جن کے روبرو نہ گیا

ایک پنخیرہ تھا خالی شاعر کا  
دل میں کچھ سوچ کر میں زو نہ گیا

200

بنیم وہ بن گئی ہے قبرستان  
جس جگہ پر رحیم تو نہ گیا





گھر کے باہر گھر کے اندر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے  
 پاؤ گے مجھ سانہ شوہر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

چاہتے ہو تم اگر مخلص بھی ہو بے لوث بھی  
 زندگی بھر ایسا لیڈر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

چاند کی مانند سر کر لیں گے وہ مریخ بھی  
 تم پتھلی میں مقدر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

مادہ مل جائے تو چھٹی لے کے ہو گا وہ فرار  
 اور تم اپنا کبوتر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

میسالو! تم اگر اتنا ستاؤ گے مجھے  
 وہ پتہ دوں گا کہ تم گھر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

بم دھماکے سے اڑا دے گا تمہیں ریوٹ سے  
 اور تم جیبوں میں خنجر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

دیکھ کر ٹی وی پہ غریباں تم کوئی منظر حسیں  
 راستوں میں پھر وہ منظر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے





نیتا کی ذات سے تو بُرائی نہ جائے گی  
ان پانیوں سے دیکھ لو کائی نہ جائے گی

مانیاپ کی کمائی تو سازی لُٹا چُکے !  
اپنی کمائی ہے یہ لُٹائی نہ جائے گی

چمچہ گری مُدیر کی کرتے رہو سدا  
شہرت اُنا کے ساتھ کمائی نہ جائے گی

نقصان کیا ہے داد کی خیرات دیجئے  
سرا دُخا ہوگا جیب سے پائی نہ جائے گی

گُرسی گئی خُسر سے تو داماد کو ملی  
گُرسی عوام میں کبھی لائی نہ جائے گی

اک بزم میں گئے تھے تو دل نے سدایہ  
بھینسوں کے آگے بین بھائی نہ جائے گی

اندھوں میں کانے راجہ بنو تو بنو زحیم  
دیدہ دروں میں دال گلائی نہ جائے گی









شہور اتنا ہے لیڈر کو خود اپنے مگر کے فن پر  
اکٹھا ہے وقوفوں کو کیا کرتا ہے بھاشن پر

نہ پوچھو کُطف کیا آیا ہے محفل سے نکلنے میں  
کسی کے نرم و نازک ہاتھ تھے جب میری گردن پر

قصیدہ ہنترانی پر لکھا ہے جوش نے جب کہ  
بڑا کیا ہے لکھوں میں شعر جو گولن پہ دھوبن پر

سویرے کی جو ورزش پیش کرتا ہے کلڑی دی  
نظر بڑھوں کی رہتی ہے جوان جسموں کے آسن پر

قدم کو چومنے اُن کے کئی بچھو نظر آئے  
وہ بہرِ فاتحہ آئے رہے دشمن کے مدفن پر

اسی باعث تو گھریں آئینہ رکھتا نہیں کوئی !  
نظر کو جھریوں سے سابقہ پڑتا ہے درپن پر





مخفل میں جب کبھی مرے اشعار چل گئے  
کیا ذکرِ غنیر کیجئے احبابِ جل گئے

وہ سامنے جب آئے ہیں میکپ کے بغیر  
ہم دیکھتے ہی خوف کے مارے اچھل گئے

اوروں کو داد دینے کے قائل نہیں ہیں ہم  
اپنی غزل پہ داد لی باہر نکل گئے

ڈر تھا ہمارے پاؤں ہی نہ توڑ دے رقیب  
ہم کوچہ رقیب میں گھٹنوں کے بل گئے

اُٹھتی نہیں ہے اب کسی کھڑکی پہ بھی نظر  
دردِ در کی کھا کے ٹھو کریں اب ہم سنبھل گئے

آگے رہا ہے ایسے بھی اُستاد کا مقام  
استاد پہلے پڑھ کے جو میری غزل گئے

ہم پر اثر یہ دورِ گرانی کا ہے حسیم  
دعوتِ تو بے محل تھی مگر مع محل گئے





چاپلوسی کو بھی تشہیر کا زینہ سمجھو  
بات کھوٹی نہیں میری ہے کھری نا سمجھو

ہو اگر حور بہت دور تو کس کام کی ہے  
ہاتھ لگ جائے کلونی تو حسینہ سمجھو

نشہ بندی کا حکومت نے جوا اعلان کیا  
جام اُن آنکھوں کو گردن کو ہی مینا سمجھو

غیر مطبوعہ جوا استاد کا دیوالی ملے  
اس کو قیمت کا عطا کردہ درنہ سمجھو

کیا یہ لوہے کے چنے ہیں کہ چاہی نہ سکیں  
شاعری کو تو مرے یار چلبینہ سمجھو

نا خدا دیش کے گھیلوں میں رہیں جو شابل  
دیش کا ڈوب ہی جائے گا سفینہ سمجھو

قدر ہر شے کی حریم آج گھٹی جاتی ہے  
مرغ و ماہی کو بھی اب دال دلیہ سمجھو





کبھی تو ناز سے لوٹا کبھی اداؤں سے  
یہ چھوڑ ٹھیک نہیں ان کی بے نواؤں سے

پریشاں روز میں رہتا ہوں ان بلاؤں سے  
خدا بچائے مجھے حسن کے خداؤں سے

بچے ہوئے ہیں خُرانات کی ہواؤں سے  
ہماری جھونپڑی اچھی، محل سراؤں سے

خدا کے واسطے افلاس کو نہ لاؤ یہاں  
پیام آتے ہیں لیڈر کو بیخلاؤں سے

مریضِ عشق ہوں آگے رہے کوئی لیلیٰ  
دوا سے کام چلے گا نہ اب دُعاؤں سے

بتائیں کیا جو ہے خلوت میں ماجرا ان کا  
دکھائی دیتے ہیں ہم کو جو پارساؤں سے

”ہے دائرِ لیس کی سہولت ہمارے گھر میں رستم  
”کسی کے شہر میں کی گفتگو ہواؤں سے“





اس طرح مجمع کو اطراف بُھا کر رکھنا  
وُگڈگی شعر کی اور فکر کا بند رکھنا

میں ہاں آنے نہ پائیں کبھی گھر کو اپنے  
گھر میں کچھ اُن کے لیے پالتو مچھر رکھنا

آئی تھی ایسی حکومت کہ خدا تھا حافظ  
جس کے منشور میں تھا ہم کو ڈرا کر رکھنا

جانے کس وقت پڑے کس کی ضرورت تم کو  
پھول اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں خنجر رکھنا

کب تک گود میں کتوں کو کھلاؤ گی مسز!  
اپنے بچوں کو بھی کچھ دیر اٹھا کر رکھنا

یوں مگر مجھ کی طرح تم نہ بہاؤ آنسو  
”بوند آنکھوں میں نہیں دل میں سمندر رکھنا“

دادِ دل کھول کے احباب تمہیں دیں رحیم  
شرط یہ ہے کہ انھیں چاکلا کر رکھنا





جا کے گھاؤں میں اپنے شعر یوں سناتے ہیں  
جیسے ملک کے باہر ہم بلائے جاتے ہیں

بن کے وہ سُخن و رجب محفلوں میں آتے ہیں  
ذکرِ پان کا کیا ہے شعر بھی چباتے ہیں

بے بصر ہیں ناداں ہیں لیڈر آج کے اکثر  
کب یہ عقل کے اندھے راستہ دکھاتے ہیں

دل پہ ہی نہیں بجلی جیب پر بھی گرتی ہے  
سامنے مرے آکر جب مُسکراتے ہیں

دلفریب ہوتی ہیں رہنما کی تقریریں  
وہ فریب دیتے ہیں ہم فریب کھاتے ہیں

دودھ میں نہاتے تھے جو کبھی زمانے میں  
اب وہ شاہزادے بھی دھوپ نہاتے ہیں

اے رستم جیتے جی مل نہ پائے گی شہرت  
لوگ خود فریبی میں یہ بھی بھول جاتے ہیں





چمکے ہیں مندر بھی کیسے جھاڑو تاروں کے  
بیٹھے ہیں وہ پہلو میں آج ماہ یاروں کے

ہم کو کیا ضرورت ہے لٹوری کی اب یارو  
بن گئے ہیں ہم خازن مختلف اداوں کے

چاہتے ہیں علامہ بن کے خوب اترا میں  
ڈھونڈتے ہیں حلقے کو ہم بھی اب گنواروں کے

گوشت کی یہ منگائی اس مقام تک لائی  
آگیا میرا معدہ نرغے میں اچاروں کے

جب سے ہم نے اپنا یا ٹیلرنگ کا پیشہ  
ناپ لیتے رہتے ہیں شرٹ کے غراؤں کے

چھوٹی چھوٹی باتوں سے تنگ کرتے رہتے ہیں  
ہیں بڑے بڑے احساں ہم پہ اپنے یاروں کے

اے رستم آہوں کا یہ دھواں تو کھتا ہے  
”اس طرف سے گزیرے ہیں تافلے کنواروں کے“





رُلا رہے ہیں میرے سر سے گر کے بال مجھے  
تمہارے حُسن و جوانی کا ہے خیال مجھے

یہی ستم تو دلاتا ہے اشتعال مجھے  
بنائے رہتے ہیں احباب اپنی ڈھال مجھے

بچھلے دام بہت اس کی زُلف نے لیکن  
بچا لیا مرے مالک نے بال بال مجھے

ہر ایک طرح مقدم ہے حق ہم سب  
پڑوسیوں کا نہ ہو مرغ کیوں حلال مجھے

مذاق میں نہ رہے عیب بد مذاقی کا !!  
پسند ہی نہیں شعروں میں ابتذال مجھے!

تو وضع آم سے کیجے اس احتیاط کے ساتھ  
عدو کو طوطا پیری دیجئے رسال مجھے

میں سردیوں میں اکڑتا ہوں محفلوں میں ستم  
مناکے جشن کرے پیش کوئی شال مجھے





لیڈر ہوں مجھ کو ڈر سے سروکار ہی نہیں  
اب غیب و ہنر سے سروکار ہی نہیں

جس سے ملے جہاں سے ملے لوٹا ہوں میں  
لیڈر ہوں خیر و شر سے سروکار ہی نہیں

ہے ٹیلیفون گھر میں مری دل سدا کے بھی  
مجھ کو تو نامہ بر سے سروکار ہی نہیں

جاتی نہیں جو راہ، مقامِ شاہ  
ایسی کسی ڈگر سے سروکار ہی نہیں

ہوٹل میں دن کٹے تو کٹے محفلوں میں رات  
شاعر ہوں مجھ کو گھر سے سروکار ہی نہیں

لے کر چہیزان کو تو مفلس بنا دیا  
اب ساس سے خسر سے سروکار ہی نہیں

جس میں نہ ہو گا اسمِ مبارکِ حسیم کا  
ہم کو تو اس خبر سے سروکار ہی نہیں





کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا اگر جانے سے  
عافیت اپنی ہے بس حکم بجالانے سے

بھوت لالوں کے نہیں مانتے سمجھانے سے  
جو حوالے میں ہیں چھوڑو نہ انہیں تنہا سے

بنتِ انگور سے کچھ رشتہ جائز ہوگا  
آج واعظ جو نکل آئے ہیں مئے خانے سے

نرس کو دیکھ کے بیمار ہوا ہوں بے شک  
گھر مرا دُور نہیں اس کے دواخانے سے

وعدے ہی وعدے لیے آتے ہیں بڈر سارے  
انتخابات کے موسم کے پلٹ آنے سے

میں ہوں مشہور زمانہ مرا چرچا ہے بہت  
میری تصویر بھی مل جائے گی اب تھکانے سے

اس پہ فلے کی گرانی کا اثر کیا ہوگا؟  
بس مزے میں ہے رحیم آپ کا غم کھانے سے





شہرت کی جورا میں ہیں وہ دشوار بہت ہیں  
پھر اس میں بھٹکنے کے بھی آثار بہت ہیں

واقف نہیں خود منزل مقصود سے اپنی  
کہنے کو یہاں تافلہ سالار بہت ہیں

ہر روز ہوا کرتی ہے اک شعر کی محفل  
لگتا ہے کہ اس شہر میں بیکار بہت ہیں

گندی ہے ادب کی بھی سیاست مریجائی  
کم ہیں شرفاء تو یہاں اشرار بہت ہیں

اس واسطے دل اوروں کو دے بیٹھا ہوں بھی  
”سینے میں اگر دل ہو تو آزار بہت ہیں“

یہ کیسا ستم ہے کہ نہیں حاشیہ کچھ بھی  
اس پر بھی مرے حاشیہ بردار بہت ہیں

پابند ہوں میں سات ہی شعر و کلام رحیم اب  
ویسے تو غزل میں مری اشعار بہت ہیں





وعدہ کرنا توڑ دینا یہ تو لاچار ہی نہیں  
پوچھتا ہوں لیڈروں کیا یہ مکاری نہیں

کام کرتا ہے بہت اور دام اُس کے کم سے کم  
خانگی یہ نوکری ہے کوئی سرکاری نہیں

بال چھوٹے جسم پر جرسی ہے تنگ اور جینس ہے  
جس میں عورت پن نہیں ہے سچ ہے وہ ناری نہیں

دیکھتے ہیں پنڈت اور ملا بھی آنکھیں پھاڑ کر  
یہ سری دیوی کی صورت ہے کسے پیاری نہیں

کار میں پھرتا ہے وہ جو بن کے لیڈر کا غلام  
سب کی بیکاری کے جیسی اُس کی بیکاری نہیں

اس زمانے میں ہنساتا ہے ثوابِ حباریہ  
مُردہ دل کے پاس لیکن فیض یہ جاری نہیں

یہ مرضِ موزی ہے لیکن سنئے اس کو ساعین  
شاعری کی لگنے والی کوئی بیساری نہیں



ہے ترنم اوروں کا اور شعر بھی اوروں کے ہیں  
داد پالینا سُبھی سے کیا یہ فنکاری نہیں !!

یوں گلے بازوں میں ہم کو اب نہ سائل کیجئے  
یہ ترنم ہے ہمارا کچھ گھلوکاری نہیں!

پیرے ہیں ذہنوں پہ اپنے ہونٹوں پہ تالے بھی ہیں  
یہ تو کمزوری ہے اپنی کوئی خود داری نہیں

خون میں میرے ہے سائل جیسے شکر کا مرض  
شاعری کی جانے والی مجھ سے بیماری نہیں

کیوں چمکتے ہیں وہ میرے شعر سُن کر ہزم میں  
شعر یہ نازک ہیں میرے کوئی بیماری نہیں!

کر رہا ہوں شاعری کے معرکے سر اے رحیم  
گھر میں آٹا دال چاول اور ترکاری نہیں







ہم اُن کے ستم کو بھی کرم بول رہے ہیں  
اور کھا کے حماقت کی قسم بول رہے ہیں

آنکھ آئی ہے اُن کی تو ہوا فائدہ لیا  
وہ سامنے کم آتے ہیں کم بول رہے ہیں

کہنے کو شرم، شرم ہمیں آئے گی کیوں کر  
جب جوش ”چنا جور گرم بول رہے ہیں

شادی کا ہے مارا ہوا یا ہے کوئی شاعر  
”چہرے پہ جو تخریر ہیں غم بول رہے ہیں“

جاری جو رہے جنگ تو ہے فائدہ ہم کو  
بُغداد سے نیویارک کے ہم بول رہے ہیں

ہم جیب میں رکھتے ہیں قلم اور کسی کا  
کچھ لوگ ہمیں اہل قلم بول رہے ہیں

کہتے ہیں رحیم اس کو یہ ہے عشق کا مارا  
حیرت ہے کہ پیچھے کے صنم بول رہے ہیں





اس طرح شال مجھے جو سے میں ہونے دیجئے  
گھر میں گر پیسے نہیں ہیں تو بگونے دیجئے

ایک رحمت ہے، سنسی رونا ہے زحمت دوستو  
آپ سنسے کوئی رونا ہے تو رونے دیجئے

دور آیا ہے دھماکو، ہاتھ میں ریوٹ ہو  
بھول کر بچوں کو اپنے مت کھلونے دیجئے

ہو گیا بیگم کے سر پر بھوت سیکے کا سوار  
کام آسانی سے یہ ہوتا ہے ہونے دیجئے

ہو مبارک آپ کو یہ بھول کے ہاروں کا بوجھ  
اور جنتا کو غموں کا بوجھ ڈھونے دیجئے

بھاگ جائیں اپنے گھر کو چھوڑ کر ہی دستور  
ظلم اپنے پر بہر صورت نہ ہونے دیجئے

آپ اٹھئے اور رسوائی کو سنبھالیں ارجم  
سورہی ہیں آپ کی بیگم تو سونے دیجئے





گھپلا ہے گھٹالہ ہے حوالہ بھی یہاں ہے  
بدنیتی سرکار کی ہر سمت غیاں ہے

ملتی ہے وہیں قرض کا امکان جہاں ہے  
دُنیا میں خوشی عید کی ہر سمت کہاں ہے

لے لے تو مکان ایک کرایے سے میر دوست  
کمزور ہے مالک تو سمجھ اپنا مکان ہے

ہنسنے کی ہوں باتیں تو ہنسی آتی ہے مجھ کو  
اس دور میں ہنسنے کا تصور بھی کہاں ہے

اخبار میں چھپوادی ہے تصویر پُرانی  
خوش فہمی میں رہتا ہے کہ اب تک جواں ہے

اُستاد کی یہ دین ہے اپنا نہیں کچھ بھی  
تازہ ہے مری فکر ہر اک شعر رواں ہے

ہر وقت سُناتا ہے رحیم اپنی ہی سب کو  
شاعر ہے مگر منہ میں تو لیڈر کی زہاں ہے





ہے چا پلوسی مزاج میں، تو ہونست سوز میں سا نہیں  
یہی خصلتیں تو ہیں لازمی یہاں ہر شاعرہ یا ز میں

تو جو تھا مسافر النجر تو چلا گیا ہے جہاز میں  
تر نقش پا ہمیں مل سکے نہ نشیب میں نہ فراز میں

میں اسیر زلف نہیں ہوا یہی سوچ کر مری دل رہا  
کہ ہزاروں قیدی تڑپا ہے میں تمہاری زلفِ دراز میں

تھا حوالے کا وہ معاملہ جو حوالے جلی کے کر گیا  
جسے میں نے رکھا تھا دوستو کئی سال صیغہ راز میں

یہ عجیب دور ہے آج کا کہ ہے ہر طرف یہی شعبہ  
کہیں گھاس بن گئی زعفران کہیں سب بل گئے پیاز میں

یہ بگھارا کھانا، یہ دلچہ ہے پُرانے دور کا ذائقہ  
رہیں مرغ و ماہی کی دعوتیں مرے مُرشد اربِ نیاز میں

کوئی بیوٹی پار لرایا تھا کہ جوان بن کے دکھائے گا  
تو حقیقتیں کئی ٹھل گئیں ہیں حسیمِ حُسنِ مجاز میں





حوروں کو ڈھونڈتی ہے مسلسل نظر ابھی  
یعنی جھکی نہیں ہے ہماری کمر ابھی

وعدہ کیا ہے پورا، مرے رہنما نے آج  
مجھ کو وثوق سے ملی جھوٹی خبر ابھی

حالات اب زمانے کے سنبھلیں گے کس طرح  
جب خود بشر ہے ہر طرح مائل بشر ابھی

ہوٹل میں دن اورات کٹے محفلوں میں جب  
میرے لیے سرے ہی لگتا ہے گھبراہٹی

اردو کو کس طرح سے ترقی ملے گی جب  
کہتے ہیں صدر کو تو یہاں پر صدر ابھی

جب ہم گلے ملیں تو ہو پاکٹ ہی لاپتہ  
دیکھا نہیں ہے آپ نے میرا ہنر ابھی

رختِ سفر میں چاہیئے چمچہ گری حسیہ  
رکھنا ہے جاری تم کو ادب کا سفر ابھی





غزل اخبار میں میری پھی ہے  
مگر تصویر اس میں اور کی ہے

یہ جنگ اب قاضیوں میں چھڑ گئی ہے  
گزر تیری نہیں ہے یہ سری ہے

یہ کرسی بھی کسوٹی طرف کی ہے  
خسر و مساد میں تک ٹھن گئی ہے

سیاہی دل کی تم اب تو بیکا لو  
کہ بالوں میں سفیدی آگئی ہے

میں پکا جانشین استاد کا ہوں  
غزل استاد سے میری لڑی ہے

ترنم کی دباؤ پہنچی یہاں تک  
سدا کے ساتھ سازوں کی کمی ہے

غزل سگریٹ کی ڈبی میں لے لو  
رحیم آسان اپنی شاعری ہے





آدمی میں اس قدر اب شو مئی افکار ہے  
 ”آدمی سے آج خود انسانیت بزار ہے“

جس کو دیکھو پوچھنے آتا ہے میری نیریت  
 کوئی مجھ سے نہیں کہتا مدد بیمار ہے

عام بانہیں عام لہجہ عام تیور عام رنگ  
 آپ کا دیوان گویا آم کا آچار ہے

ریس اور جوتے پہ پابندی نہیں اس شہر کی  
 مئے کشی کا انتظام البتہ سرحد پار ہے

پڑھ کے اک شاعر کے بانے میں خبر کہتے ہیں لوگ  
 یہ حقیقت میں نہیں اخبار میں بیمار ہے

پورب اور پچھم کی یہ تہذیب میر زب تن  
 ہے دکن کا کوٹ اور پنجاب کی شلوا ہے

کیسے کیسے مخلصوں کے پاس جاتا ہوں حسم  
 کوئی بھی کہتا نہیں ہے ناشتہ تیا ہے





لوگ جو بے ضمیر ہوتے ہیں  
ہوتے ہوتے وزیر ہوتے ہیں

زُلف کے جو اسیر ہوتے ہیں  
شاعری میں وہ سیر ہوتے ہیں

لڑتے رہتے ہیں جو میاں بیوی  
اُن کے بچے شیر ہوتے ہیں

سامنے ہوں اگر حسین چہرے  
”حادثے“ اگر زیر ہوتے ہیں

ہیں بھیانک بہت فرشتوں میں  
وہ جو مُنکر نکیر ہوتے ہیں

پھرتے رہتے ہیں بن کے خور اخبار  
بعض ایسے مدیر ہوتے ہیں

عشق ایسی بلا ہے جس میں حسیم  
لکھ پتا بھی فقیر ہوتے ہیں





حسینوں میں برا چرچا بہت ہے  
کہ میرے نام پر ورثہ بہت ہے

بہت اچھی ہے مہ پاروں کی صحبت  
مگر اس کام میں خرچہ بہت ہے

قیادت کھو رہی ہے قدر اپنی  
کہ اس میں آج کل دھندہ بہت ہے

بہت اونچے سے ٹیلے پر کھڑے ہیں  
بڑائی کا جھنڈا دعویٰ بہت ہے

وہ اپنی جھڑیاں دیکھیں تو بولیں  
اے! یہ آئینہ جھوٹا بہت ہے

وہ شوہر جس کی ہوا طرار بیوی  
ہے خوش قسمت اگر بہر بہت ہے

حسین اب تو بدل دے نام اپنا  
کہ تیرے نام پر قرضہ بہت ہے





ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اس کی ہمت ہے  
ہماری شاعری میں سارے استادوں کی محنت ہے

مجھے پرہیز چا دل کا ہے چا دل کھا نہیں سکتا  
کہ مجھ کو مرغ و ماہی اور مٹن کی ہی ضرورت ہے

ہمارے شعر پر دو داد آہستہ تو سن لیں گے  
کلام اور روں کا سننے میں ذرا ثقلِ سماعت ہے

اسے اندھیر نگری اور چوہاٹ راج کہہ لیجے  
یہاں بے قاعدہ برقی ہے تو پانی کی قلت ہے

حکومت ہے پریشاں خود خزانے سارے خالی ہیں  
مگر ہر محکمہ میں گرم کاروبارِ رشوت ہے

میں خالی پیٹ پھرتا تھا مریڈی کے زمانے میں  
بنا ہوں جب سے مُرشد میری ہر اک گھر میں آج ہے

فقط دشمن ہی کیا ہیں دوست بھی جلتے ہیں اب مجھ سے  
بنائے دشمنی کی ہے حریم اک میری شہرت ہے





دونوں کے اب کہہ سکنے کا کوئی گماں نہیں  
اب وہ حسیں نہیں ہیں تو میں بھی جواں نہیں

اپنی نظریں کتنے ہی ایسے میاں نہیں  
ہیں بیویاں تو چار، مگر ایک مسکاں نہیں

یہ قتل و خوں تو روز کا معمول ہے جناب  
یہ مت کہو کہ ملک میں امن و آماں نہیں

علیک کو پونچھ پونچھ کے تکتے ہیں آج بھی  
انہیں ہوئیں ضعیف تو کیا دل جواں نہیں

سُنتے ہیں کھلنے والی ہے ہوٹل و ہاں کوئی  
اب چاند پر ہی چائے پئیں گے، یہاں نہیں

میں ناز اٹھاؤں اُن کے تو مل جائے میری ناپ  
اتنا بھی میرے دوستوں ناپا توں نہیں

اپنا لفافہ لے کے وہ خود آگئے رحیم  
اب ڈاکیہ بھی اُن کے مرے دیوان ہیں





یہ انٹرویو میں پوچھتا تھا  
سفارش لائے ہو ختم کیا کسی سے

پسر لکھتا ہوں اب تک بھی پدر کو  
کیا ہے یہ اے میا نے فارسی سے

مگر مجھ جان کر خوابوں میں اکثر  
میں ڈرنے لگا گیا ہوں چپکلی سے

ہم آزادی کا مطلب آج سمجھ  
ہے پتی دو قدم آگے پتی سے

ہنسیں آمادہ کوئی قرض دینے  
بڑا نقصان ہے یہ شانری سے

ہوا یہ فائدہ شادی سے ہم کو  
ہوے آگاہ رسم خود کشی سے

رحیم اس دیش کا کیا حشر ہوگا  
پریشانی رہنا ہی آپ ہی سے





دلبروں کی ٹولیاں اور وہ بھی اس دل کے لیے  
جو نہ گھر کے واسطے ہے اور نہ محفل کے لیے

ایٹمی طاقت بڑھی تو بڑھ گیا ہے اختلاج  
ہم دھماکہ موت کا اعلان بُز دل کے لیے

انقلاب آیا تو یہ ہے مفتیوں کا حال زار  
پہلے حق کے واسطے تھے اب ہیں باطل کے لیے

کس طرح سے میں چھپا یا یا سر قے کی غزل  
یہ غزل میں نے رکھی تھی صرف محفل کے لیے

اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے دیش میں میرے حضور  
قید معصوموں کے حق میں چھوٹ قاتل کے لیے

مجھ پہ تحدیدات عائد کرنے دیں اہل ادب  
میںونکہ دودِ سر بنا ہوں اہل محفل کے لیے

شاعری ورثے میں مجھ کو مل گئی ہے اے رحیم  
تیری کشتی کیوں پریشاں ہوگی ساحل کے لیے





چلا ہے عشق کا چسکہ وہیں سے  
نکلنے ورنہ کیوں خُلدِ بریں سے

گلے میں عید کے مل لول کا لیکن  
ذرا خنجر نکالو آستیں سے

تغصُّب کی جو فصلیں بوئیں ہم نے  
”بہ شکل گُل اُٹھے فتنے زریں سے“

رہا کرتا ہے پہلو ”ہاں“ کا اس میں  
میں گھبراتا ہوں دلبر کی نہیں ہے

دکھانی تھی اگر دوزخِ زریں کی  
اُتارا کیوں ہمیں خُلدِ بریں سے

مرا دل ہے دھماکو، آتشیں تم !  
نہ گزرو تم کبھی میرے قریں سے

سیہ گھٹٹا اُبھرا آیا ہے اس پر  
رحیم اتنے کیئے سہلے جبیں سے





بجلی ہے اٹھ اٹھ پہر تک نہ آئے گی  
جائے گی شام سے تو سحر تک آئے گی

یہ سوچ کر لڑانا ہوں ریکھا سے عشق نہیں  
”دشتِ انا کی خاک ہے گھر تک نہ آئے گی“

اچھا وکیل گر تنہی کو بل سکے  
بادا کی جائیداد پسر تک نہ آئے گی

اُڑ جائے گی جو آنکھوں سے نیند اپنی شام سے  
شاعر کی طرح پچھلی پہر تک نہ آئے گی

لٹ جائے چاہے کوئی ادھر یا کہ قتل ہو  
پولیس ہے اُس گزر کی ادھر تک نہ آئے گی

جَل جَل کے میرے نام سے مر رہیں گے غیر  
ہے یہ حسد کی آگ نظر تک نہ آئے گی

ارماں کا خون لاکھ بہاتا رہے رحیم  
سُرخ تو کیا لگے گی خبر تک نہ آئے گی





بنزمِ عشرت میں سکاں کا ذکر کیا  
موسمِ گل میں خنداں کا ذکر کیا

میکدہ ہو ساقیِ کُلفِ ام ہو  
شیخ یا پیرِ مغان کا ذکر کیا

شاعری میں حُسن ہی کی بات کر  
اس میں آلامِ جہاں کا ذکر کیا

عشق میں جب ہو گیا صحراِ لورد  
قین کے آگے مکاں کا ذکر کیا

کشتیاں ریوٹ سے کنٹرول کر  
عہدِ نو میں بادیاں کا ذکر کیا

ہے جو رہنما، وہبری کے نام پر  
اس امیرِ کارواں کا ذکر کیا!

یہ نہاری مُرخ کی ہے لے رجم  
اس میں پائے کا زباں کا ذکر کیا





ہم نے ہنس ہنس کے جوڑائی ہے  
اپنے مانباپ کی کھائی ہے

مفت میں اپنی یہ بڑائی ہے  
سوٹ ادروں کا اپنی طمائی ہے

کیسی تقدیریں نے پائی ہے  
واج اُن کی مری کھائی ہے !

WATCH

پارسی نازیں سے عشق کیا  
ہاں یہی میری پارسائی ہے

آپ نے جو سلائی تھی شلوار  
باد بانوں کے کام آئی ہے

سہا سہٹا سا پھر رہا ہے غلو  
ایسا لگتا ہے گھر جنوائی ہے

بن کے لیڈر حسین عیش کرو  
شاعری کس کو اس آئی ہے





کس طرح سے آئے گا مجھ کو لطفِ سجدے کا  
ہوں نماز میں لیکن ہے خیال جو تے کا

جب سے میرے دل میں ہیں سنگدلِ جینائی  
پتھروں کی زد میں ہے اک مکانِ شیشے کا

کمرِ رہائش تنقید میں شاعرِ دل پہ وہ شاعر  
علم بھی نہیں جس کو قافیے برتنے کا

جس کی ہے غزلِ یار و آگیا وہ محفل میں  
اس لیے اڑا شاید رنگِ میرے چہرے کا

پاش پاش ہو جاتا میں گرا اس سے ٹکراتا  
میرا دل ہے شیشے کا اور اس کا سیسے کا

دیکھتے ہیں سب مل کر بوسہ بازی ٹی وی پر  
رہ گیا ہے پردے میں اب حجابِ پردہ کا

اے رستمِ مل جا ایک دن کی گر شاہی  
مسئلہ کردوں گا حل شاعروں کے لڑنے کا





میں نے یہ کہا کہ سہنے کفایت شعار ہوں  
ٹل جائے مُفت کا توڑ، حاتم کا یار ہوں

کیا اس سے بڑھ کے اور ہوا فلاں شاعری  
اگے عمر سے اسیرِ غم و روزگار ہوں

ہمارے ایک دو بھی نہیں ہیں ہزار ہیں  
میں گلستانِ شعریٰ ایسا اتار ہوں

میں ہوں گلِ بنفشہ عزیزوں کے واسطے  
اور دشمنوں کے حق میں جگر کا بخار ہوں

رکھا چھپا کے اپنے بڑھاپے کو اس طرح  
دورِ خزاں میں لگتا ہے جیسے بہار ہوں

ہیں کاروبار میرے ترقی پہ اس لیے  
دیتا ہوں مال نقد تو لیتا ادھار ہوں

اک قسم کا ہے یہ بھی دماغی خللِ رسیم  
پی کر سمجھ رہا ہوں کہ میں بھی خستہ ہوں





ہمارے دل کی دشمن دُریا ہونے نہیں پاتی  
سُز کا حکم ہوتا ہے سزا ہونے نہیں پاتی

ادب میں جاہلوں کا بول بالا ہے زمانے سے  
کبھی بھی صاف ستھری یہ نصا ہونے نہیں پاتی

کیا کرتا ہوں میں تنقید پر تنقید اور وہ بہر  
”جب اپنے فن سے کسکین آنا ہونے نہیں پاتی“

ہمارے دور کے شیطان بھی اب یہ سمجھتے ہیں  
فرشتے ہیں کبھی ہم سے خطا ہونے نہیں پاتی

کھاتی رہتی ہے وہ زُلفِ مردوں کی طرح اثر  
کبھی بھی زُلفِ جانانہ گھٹا ہونے نہیں پاتی

وہ ہنس کے ملتے ہیں آگے کبھی بڑھنے نہیں دیتے  
قیامت ہے یہ کسی جو بپا ہونے نہیں پاتی

رجیم ان کی زباں بندی جو نیناؤں نے کر دی  
کبھی اُونچی رعایا کی صدا ہونے نہیں پاتی





فیصلہ خوب یہ سرکار کیا کرتی ہے  
قیدِ مظلوم کو ظالم کو رہا کرتی ہے

میں بھی اندھوں میں بنا رہتا ہوں کانارا  
ایسے دیسوں ہی میں تلخ دال گلا کرتی ہے

عقد کے روز میں ہنستا تھا دلہن روتی تھی  
اب میں روتا ہوں دلہن میری ہنسا کرتی ہے

اس کے ہونٹوں کو کسی دھن میں کہا تھا شیریں  
گالیاں سُستا ہوں میں اور وہ بکا کرتی ہے

یوں نہ اتراؤ کہ محفل میں بہت داد ملی  
شاعری لا کے سڑک پر بھی بکھڑا کرتی ہے

اب تو مانباپ کو آرام ہوا ہے بیشک  
تربیتِ بچوں کو ٹی وی سے بلا کرتی ہے

کوئی عورت بھی ہو بے مرد ادھوڑی رحیم  
بیل پیڑوں کے سہارے سے چڑھا کرتی ہے





اتراؤ نہ نوشہ اسے سمجھو نہ مٹا دی  
ہے ڈھیر مصائب کا جسے کہتے ہیں شادی

ہے کتنا خبر گیر مرے دیش کا نیتا  
ہے پانچ برس میں وہ خبر لینے کا عادی

کمزور پڑوسی سے لیا اس طرح قبضہ  
جو بیچ کی دیوار تھی وہ ہم نے ہی ڈھا دی

عاشق سے بنایا ہے جو شوہر ہے مری مات  
میں نے بھی کہاں جا کے بسا اپنی بچھا دی

اے دوست ہوئی قزن کی وہ بات پُرانی  
اب تو بھی جھلا دے اُسے میں بھی جھلا دی

تسہیر کا تھا شوق تو بوڑھے نے پسِ رگ  
اخبار میں تصویر جوانی کی چھپا دی

چکر میں حسیں اُن کے یہ اتنا پھر ہے ہم  
ڈھانچے سے نظر آنے لگے چھٹ گئی بادی





مرے آگے کوئی ٹیکتا نہیں ہے  
فلو ہے یہ مراد غویٰ نہیں ہے

بلی ہے تربیت ٹی وی کی جب سے  
یہ بیٹا باپ ہے بیٹا نہیں ہے

ہر اک آتا ہے بس منہ کو اٹھائے  
مرے گھر کو جو دروازہ نہیں ہے

میں صورت سے نظر آتا ہوں شاعر  
مجھے لٹنے کا اب خدشہ نہیں ہے

کھپا پیچھے ہیں اُس کو شاعری میں  
ہمارے سر میں اب بھیجا نہیں ہے

لگائے شرط وہ دہن ہو گونگی !!  
اگر دہن کوئی بہرہ نہیں ہے

وحسین اب شاعری سے کر لو تو یہ  
کہ اس میں کوئی بھی پناہ نہیں ہے





جلتی ہے یری بیوی پڑوسن کو دیکھ کر  
سوتن جلے ہے جسے کہ سوتن کو دیکھ کر

دیکھی ہے جب شیخ نے ”ہم آپ کے ہیں کون“  
گمانے ہی گار ہے ہیں وہ سمدھن کو دیکھ کر

پکڑے ہیں صاف پھر تہی دھلاتا ہوں بابا بار  
دیوانہ ہو گیا ہوں میں دھوین کو دیکھ کر

چشم نہیں ہے آنکھوں پر اس واسطے جناب  
گمردہ سمجھ رہا ہوں میں بیگن کو دیکھ کر

عورت کی طرح رز بھی ڈالے ہے چوٹیاں  
آتی ہے شرم آج کے فیشن کو دیکھ کر

حالات نے بگاڑ دیا ایسا شکل کو  
گھبرا گیا ہوں خود مرے درپن کو دیکھ کر

دھونا لکھا ہے میرے مقدر میں اے رحیم  
ڈرنے لگا ہوں میں کسی برتن کو دیکھ کر





ہے عام جو رہائی گنہگار کے لیے  
چیلنج ہے یہ آج کی سرکار کے لیے

قاتل ہے دھوکہ باز ہے زانی ہے ڈاکٹر  
ہڑتال اور ایسے خطاوار کے لیے

اُسے گا ایسا دورِ سرے دور میں ضرور  
اندام رکھے جائیں گے اشرار کے لیے

کاندھے ملیں گے چار چوہوں بیویاں بھی چا  
انصاف چاہیے گا میاں چار کے لیے

حق بات کہنا آج بھی دشوار ہو گیا  
پھانسی لگائے گا ہمارے فنکار کے لیے

رڈی میں ل گئی ہے غول طرح کی مجھے  
درد بھٹک رہا تھا میں اشعار کے لیے

فطرت میں میری چمچہ گری ہے کہاں رحیم  
موزوں نہیں ہوں میں کسی دربار کے لیے





بہت کچھ یاد رکھنے پر بھی اکثر بھول جاتا ہوں  
بھلی عادت ہے میری فرض لے کر بھول جاتا ہوں

مرا پیشنٹ مجھ کو زندگی بھر یاد رکھتا ہے  
میں اس کے پیٹ میں رکھ کر جو نشتر بھول جاتا ہوں  
پٹر وین کے سکاں میں روٹ گھس پڑتا ہوں میں بے شک  
میری غائب دماغی دیکھتے گھر بھول جاتا ہوں

مجھے مرغِ مسلم کی تو دعوت یاد رہتی ہے  
اگر ہو دعوتِ شیراز کی بھول جاتا ہوں

میں چکنی چوڑی باتوں میں پھنس جاتا ہوں بالآخر  
یہ باتیں کر رہا ہے ایک لیڈر بھول جاتا ہوں

مرے پیچھے ٹریفک جتنی رکتی ہے روزانہ  
کھلا رکھ کر جو اپنا انڈیکیٹر بھول جاتا ہوں

میں دعوت ہیں تو پیٹھا خوب کھاتا ہوں دلیتم  
ہے میرے خون کے اندر بھی شکر بھول جاتا ہوں





ہماری عرض بس اتنی ہے خدمت میں کنواروں کی  
سنجھا لو ہوشِ حیات دیکھ کر شادی کے ماروں کی

میں شاعر ہوں ہے میرے پاس دولتِ استعاروں کی  
میری نظروں میں اب کیا حیثیت ہے چاند تاروں کی

یہ میرے سامنے بیوی تصور میں ہے محبوبہ !  
”نظر میں ہے خنزاں دل میں تمنا ہے بہاروں کی“

کبھی نظموں کی یورش ہے کبھی غزلوں کی بارش ہے  
عنایت کم نہیں ہے ہم پہ اپنے بچے یاروں کی

کھڑے ہیں قرضِ خواہوں کے ہی بازو آج ٹھپڑ ہیں  
ذرا ہمت تو دیکھیں آپ ہم سے قرضِ داروں کی

میں اپنے گھر میں رہ کر آسمان کی سیر کرتا ہوں !  
سرے البم میں تصویریں ہیں سب فلمی ستاروں کی

منائیں گے رحیم اب اپنے ہی پیسوں جشن اپنا  
کہ پیسہ مچھلے تو کیا کمی پھولوں کے باروں کی !





اب اُن کی زُلف کہاں ہم کو یاد آنے کی  
نہیں ہے اب ہمیں فرصت بھی سرِ جُبانے کی

وہ مار کھائے ہی چھوٹے گی دیکھنا آخسر  
ہے ہونٹوں میں جو عادت اُدھار کھانے کی

شریکِ میکشی میڈم ہوا گھری پیٹتے ہیں  
جوتِ عقی چھوٹ گئی میکدے کو جانے کی

بنا ہوا ہے جو نیتا غریب کا بچہ  
بدل کے رہ گئی قیمت غریب خانے کی

کر دتم دوط کا یونی مطالبہ ہم سے  
کہ ہم کو پڑ گئی عادت فریب کھانے کی

ہے مالدار جو شاگرد تو سمجھ لیجے  
کہ ہاتھ آگئی کُنجی کسی خزانے کی

مسالہ دار ہیں ایسے تہاڑے شعرِ حسیم  
دُکال ہو جیسے کہ الفاظ کے کرانے کی





شعراوروں کے چرا کر ہم کبھی پڑھتے نہیں  
اس لیے شعروں کے اپنے ہر جگہ چرچے نہیں

اُڑتے رہتے ہیں فلک پر تیز تر رفتار سے  
یہ گمرانی کے پرندے آج تک لوٹے نہیں

ایم اے پی ایچ ڈی بھی کر لی دوست میرے  
لفظِ اردو کے ابھی وہ جانتے تھے نہیں

کونسی محفل میں آخر شعر پڑھنے چاہیے  
نوجوانوں میں نہیں ہیں اور ہم لوٹے نہیں

معا تلفظ اپنے استادوں کا بھی اکثر غلط  
مسئلے ہے لفظ بے شک دوستو مسئلے نہیں

دور درشن کی غنایت سے ہوئے مقبول ہم  
ورنہ اچھے اچھے شاعر کے یہاں چرچے نہیں

خطبہ ہے قد آوری کا جس کو اس کلمہ رحیم  
قد کے ہم چھوٹے ہیں لیکن فی میں ہم کو نہیں





ہوائے عشق کی روداد مختصر بھی نہیں  
ہم ان کو روک رکھیں اپنا یہ اثر بھی نہیں

ہم اس کے پیڑ کے اندر بنالیں گھر اپنا  
ہم اے شہر میں ایسا کوئی شجر بھی نہیں

کسی کے جیب کا ہوا اپنا ہوتا ہے  
ہم اے ہاتھ میں ایسا کوئی ہنر بھی نہیں

تمہاری بزم بھی ایسی ہے میرا گھر جیسے  
بریک فاسٹ نہیں لچ اور ڈنر بھی نہیں

مٹھائی گھر میں ملاوٹ میں اس کو کیسے رکھوں  
کہ اس کو بی بی نہیں ہے اسے شکر بھی نہیں

وہ اپنے پانوں میں ہندی لگائے بیٹھے ہیں  
کسی کی قبر بنی اور انھیں خبر بھی نہیں

رحیم لوگ نہ چچہ گری سمجھ بیٹھیں  
ہوا نکسار مرے بھائی اس قدر بھی نہیں





ہیں رِداے مُفلسی تانے ہوئے  
 ہم بھی شاعر ہیں بڑے مانے ہوئے  
 ”تُو تُو میں میں“ کا سبق دینے کو اب  
 دُور دَرشن والے ہیں ٹھانے ہوئے

ضبط کر کے لائی جاتی ہے شراب  
 تھانے پولیس کے بھی مئے خانے ہوئے

راج کر لیتے ہیں اندھوں میں سہی !  
 یہ بھی کیا کم ہے کہ ہم کانے ہوئے

معتقد کی جیب خالی ہوگی  
 حق میں مُرشد کے یہ نذرانے ہوئے

چور دروازوں سے ہو کر مستفید  
 ہم بھی ہیں استاد اب مانے ہوئے

ہوش کم ظرفوں نے خود کھوئے حسیم  
 مَفْتٰی میں بدنام مئے خانے ہوئے





چھوڑے گا مجھے کیسے خرافات کا بچھو  
یہ تو ہے ازل سے ہی مرے ساتھ کا بچھو

مانگے نہ کبھی پانی بھی کاٹا ہوا اس کا  
لب لڑکھو سمجھ لیجے بڑی ذات کا بچھو

اب ہاتھ پہنچا ہی نہیں کیسے نکالوں  
”پھر پیٹ پھر پیٹ پھر پیٹا ہے حالات کا بچھو“

آنے ہی نہیں دیتا کسی کو کبھی آگے  
میدانِ ادب میں ہے جو کم ذات کا بچھو

تخریر ہوا اچھی یا بُری کرتا ہے تنقید !  
ناقد تو ہوا کرتا ہے عادات کا بچھو

جوتے ہی ہوا کرتے ہیں بچھو کا منفرد  
جائے گا حوالے میں حوالات کا بچھو

شعروں میں رحیم ایسا ہے کچھ تیرا دطیرہ  
سب تجھ کو سمجھنے لگے عادات کا بچھو





بتائی فلم کچھ ایسی جس صدتے جاؤں فیض کے  
کہ ابجے خون گن گمانے لگے سہمی سہمی

جلاتے ہیں یہاں پر بستیوں کی بستیاں لپیٹ  
ہمارے دیش میں بھی پوچھنے والے ہی راؤں کے

جوشیدا ہیں وہ ڈنڈی کی بھی یوں تعریف کرتے ہیں  
نہیں ہے میخ، بلکہ تاج ہے یہ سر پہ بگن کے

چڑیل آئی بھی تو میں اس کو رشک جو کہتا ہوں  
ہری لگتی ہے ہر اک چیز جو اندھے کو سادہ کے

وٹاسن کے لیے وہ خود تو میوے کھا جاتے ہیں  
فائدہ ہم کو گنوائے ہیں ادراک پیاز لہسن کے

انھیں سے محفلوں میں روشنی بھی ہے دھواں بھی ہے  
خیال آتا ہے جن کا ذکر سے برق دشمن کے

جو ذوقِ شعر نے گنجہ کیا اور جھپریاں بخشیں  
احسبم اب سامنے آتا نہیں بھولے سے چنکے





داد ملتی ہے جو مجھ کو یہ کرم کس کا ہے !  
 بیرے اشعار میں مت پوچھئے دم کس کا ہے

کون علامہ ہے یہ زورِ قلم کس کا ہے  
 دم ہے کس میں کی جگہ لکھتا ہے دم کس کا ہے

کھاکے جتنا کی کمائی جو نہ لے ایک ڈکار  
 کھیتے لیڈر کا نہیں ہے تو شکم کس کا ہے

قہقہہ زار بنی بزم جو تھی سنجیدہ !  
 پھیلے پھری کی طرح پھوٹا سوہم کس کا ہے

ادباً پوچھنا ہے مجھ کو کبھی واعظ سے  
 راہِ مئے خانے میں یہ نقشِ قدم کس کا ہے

ساری مشکوں لگا ہوں نے یہ پوچھا مجھ سے  
 جیب میں آپ کے جوہر قلم کس کا ہے

سُن کے سب میرا ترنم یہ بھلا بیٹھے ہیں  
 شعر میں جان، مضامین میں دم کس کا ہے





رہتا ہے جو شوہر یہاں بیگم کے اثر میں  
گھر کا ہے نہ وہ گھاٹ کا ہے میری نظر میں

سُنتی ہی نہیں میری چلاتی ہے بس اپنی  
بیوی ہے کہ ٹاڈا کی عدالت مرے گھر میں

بکھی میں نظر آتی ہیں کچھ اور حسیں آپ  
بس تیرے رہتے گارے دیدہ تر میں

جدت کائیں شاعر ہوں اڑا لیتا ہوں ہاتھی  
اور پیسہ اکا دیتا ہوں میں شمس و قمر میں

ٹی وی کی عنایت ہے کہ بے شرم ہے اُطاد  
کچھ فرق ہی باقی نہ رہا عیب و ہنر میں

اب مولاعلی جادوں کا اس بزم سے اٹھ کر  
ایک اور بھی محفل ہے جو سنتوش نگر میں

اب آپ رحیم اپنے کو محفوظ نہ سمجھو  
پو بس بھی سنا آج ہے غنڈوں کے اثر میں





مجھے داد کیوں نہ ملے گی اب سبھی سامعینِ کرام سے  
کبھی استفادہ سنی سے ہے کبھی ہے جگر کے کلام سے

ہے شاعروں کی جوت میں گئے یاد اپنے ہم کام سے  
نہ پلٹ کے آئے ہیں صبح تک جو نیکل گئے سیرِ شام سے

وہ جو ٹھیکدار ادیب کے ہیں انھیں خود سے تو ہے واجبی  
مرے ذکر سے مری فکر سے مری شکل سے مر نام سے

کرے نیتا و عدا عوام سے جو ہیں عام کو پر نہیں کبھی  
کوئی خاص بات وہ کیا کرے ہے خطابِ جلدِ غم سے

مجھے تم عروج نہ دو کبھی کہ نشہ بُرا ہے عروج کا  
میں جہاں ہوں اب ٹھیک سے نہ گراؤ اپنے مقام سے

ہے انھیں کے ہاتھ میں چاند ہے انھیں کے ہاتھ میں چاند  
کریں عیدِ ہم کہ نہیں کریں ذرا پوچھو شاہی امام سے

وہ جو لے رحیم ہیں مزدوج وہ اسیرِ غمِ تمام ہیں  
ہیں کنوا سے جو ہیں بچے ہوئے ہیں ابھی وہ جس سے





چین سے امن سے رہنے کا ہنر رکھتے ہیں  
 ساس رکھتے ہیں نہ ہم گھر میں خسر رکھتے ہیں

اپنے سینے میں جو پتھر کا جگر رکھتے ہیں  
 گھر میں شاعر کو وہ بے خوف و خطر رکھتے ہیں

ایک مصرعہ بھی سلیقے سے نہیں کہہ سکتے  
 جھوم کر شعر سنانے کا ہنر رکھتے ہیں

ایک عورت کے لیے کرسی کو ٹھکرا ڈالا  
 دل ہے شیشے کا تو پتھر کا جگر رکھتے ہیں

خرچ لاکھوں کا کیا کرتے ہیں وہ شادی پر  
 اس طرح سارے غریبوں پہ نظر رکھتے ہیں

کیا میں لوگوں کی اڑا لیتا ہوں جیبیں ماری  
 کیوں مری جیب پہ سب لوگ نظر رکھتے ہیں

چشمہ رنگین لکائے ہوئے سوتے ہیں حسیم  
 خواب بھی آنکھوں میں ہم کی طرح رکھتے ہیں





سُہانے خواب دکھاتے ہیں حکمراں کیا کیا  
بلندیوں کے ہیں سایے میں پستیاں کیا کیا

پست نہیں تھی جمہور کے محافظ کو  
ہمارے سر پہ بھی ٹوٹے ہیں آسماں کیا کیا

بتاؤں تم کو یہ کیسے کہ شرم آتی ہے  
ستم جو ڈھاتی ہیں مردوں پہ بویا کیا کیا

ہمارے شعر تو خنجر سے تیز ہوتے ہیں  
یہ دیکھنا ہے دکھاتی ہے اس زباں کیا کیا

غریب جنتا ہے بد حال حکمراں خوش حال  
معاہدے تو تھے دونوں کے درمیاں کیا کیا

اگر یہ پیٹ نہوتا تو کیا نہیں ہوتا ؟  
کہ ہم سے جُرم کراتی ہیں روٹیاں کیا کیا

رؤف تخیر کبھی اور کبھی رؤف رحیم  
ہمارے نام کی اڑتی ہیں دھجیاں کیا کیا



# ہندی غزل



پریم کا لُٹو نرمان کریں گے  
کام ہے یہ آسان کریں گے

کمپیوٹر کی ہات نہ پوچھو  
ودھوا کو ودھوان کریں گے

شاعر کی ہے الٹی قسمت  
مَرنے پر سمان کریں گے

آپ کی رچنایں نے سُن لی  
آئیے اب جہل پان کریں گے

نام پہ فرقوں کے یہ نیسا  
شہروں کو شمشان کریں گے

خالی ہے پولیس کا خزانہ  
پیدل کو چپ لان کریں گے





ہوتا کر وہ قرض ہمارا  
ہم پر ایک احسان کریں گے

نیتاؤں سے آس نہ رکھو  
وہ اپنا کلیان کریں گے

مل جائے سسرال جو چنگا  
ہم بھی جگ میں شان کریں گے

کام نہ کر پائے جو شیطاں  
کام وہی انسان کریں گے

پہلے دے کر دان میں موٹھر  
بعد میں کنیا دان کریں گے

حَبان اگر مل جائے رحیم اک  
ارپن اس پر جان کریں گے





بات معشوق کی اب نہ کر  
اب تو جھٹکنے لگی ہے کمر

شاعری کا ہے شاید اثر  
اُگیا ہوں بوئیں روڈ پر

رنگ کالا ہے اُس کا منگر  
نام رکھا ہے اُس نے سر

ہے سیاست کا ندو جزر  
راہ زن بن گیا راہبر

کیسے اندھے ہیں وہ دیدہ و  
نخیر کو بھی جو کہتے ہیں شر

شعر بیٹھے ہیں اس واسطے  
کیوں کہ میں ہوں مریضِ شکر!

جب وراثت میں ہے شاعری  
شاعری سے نہیں ہے منفرد!





مہ جڑ سکے کبھی دِ لبِ سہ سے رابطے ٹوٹے  
وہ آنگینے کی مانند تھے گرے، ٹوٹے

مشاعرے میں بہت داد مل رہی تھی مجھے  
کھلی جو آنکھ تو خوابوں کے سلسلے ٹوٹے

دراصل ساری خراشیں تھیں میرے چہرے پر  
مجھے گمان ہوا گھر کے آئینے ٹوٹے

جدید شعر میں پتھر بھی اتنے نازک تھے  
صبا سے چھپر کی تو ریت پر گرے، ٹوٹے

میں آسمان سے گر کر کھجور میں اُنکا  
وہ سلخے مرے سر پہ پہاڑ سے ٹوٹے

کسی پہاڑ پہ اب اشیاء بناؤں گا  
یہاں چمن میں تو کہتے ہی گھونسلے ٹوٹے

رحیم اچھے ہیں پائی کے خواب میں چھپھڑے  
ہمارے خواب سٹھے، کچے گھڑے، گرے، ٹوٹے





کبھی کبھی یہ حسیں حادثات ہوتے ہیں  
عدو بھی مائل صد التفات ہوتے ہیں

جو لوگ دل میں تعصب کے بیج بوئیں، وہی  
مری نظر میں بڑے واہیات ہوتے ہیں

تم اپنے شہر میں کہتے ہو حادثات جنہیں  
ہمارے شہر میں وہ واقعات ہوتے ہیں

جو کائنات کو لاتے نہیں ہیں خاطر میں  
وہ اپنی ذات میں اک کائنات ہوتے ہیں

ضمیرِ بیچ کے سودا انا کا کر لینا  
ہم ایسے لوگ کہاں بے صفات ہوتے ہیں

دھماکے، قتل، دہشتی، زنا، فساد، غبن  
ہمارے ملک میں یہ واقعات ہوتے ہیں

رحیمِ وقت کے ہوتے ہیں ترجماں و نقیب  
ہمارے شعر کہاں واہیات ہوتے ہیں





یہ انقلاب ہوا تو ہوا بپا کب سے  
مرے رقیب کا بے تنگ قافیہ کب سے

ہوی ہے شاعری میری یہ شاعرہ کب سے  
پڑی ہوئی ہے مرے پیچھے یہ بلا کب سے

علاج تو دلِ بیمار کا ذرا نہ ہوا  
میں پی رہا ہوں مرے یار کی دوا کب سے

خبر نہیں درِ تاشیر کے محافظ کو  
لٹک رہی ہے مُعلق مری دُعا کب سے

تم آگئے تو مری آرزو کی دال گلی  
رکھا ہوا تھا فریج میں یہ دلچہ کب سے

ٹپکنے لگ گئی کیوں رال ذکرِ بادہ پر  
زباں پہ آگیا اسے شیخ یہ مزا کب سے

حسِ شمر کے ہتھے جو کر نہیں سکتا  
سُخنوروں کے اکھاڑے میں مل گیا کب سے





لیڈر ہوں مصلحت سے چلاتا ہوں اپنا کام  
ہندو کو رام رام، مسلمان کو سلام

رشوت کا اصطلاح میں کوئی نہیں کہ نام  
مل جائے تو حلال ہے، چھٹ جائے تو حرام

اب تو مشاعروں سے بھی کٹنے لگے ہیں نام  
قد آدروں سے لینے لگے بونے انتقام

ہمت نہیں ہے اور چلوں دو قدم بھی میں  
منزل ہی رکھ لیا ہے ترے راسے کا نام

کہتا ہوں سچ تو لوگ بُرا مانتے ہیں آج  
میں کیا کروں کہ ہے یہ زباں میری بے لکام

بول ہے کڑوا بول تو میٹھے کی آس کیوں  
ایلی کا پیڑ بوئیں تو کیسے لگے گا آم

آئے گا انقلابِ ادب میں بھی اے رحیم  
ہو گا گروپ بندی کا اک روز اختتام





مرضی ہے یہ اب اُن کی جَسزادیں کہ سزا دیں  
مقصد تو ہمارا ہے کہ روتوں کو ہنسا دیں

نیتاؤں سے رکھو نہ کبھی اُمن کی اُمید  
یہ وہ ہیں جو بچھتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیں

مَر جائے نہ کیوں شاعر بیمار خوشی سے  
بِستر پہ اگر اُس کا کوئی شعر سنا دیں

کاتب ہوں کسی دَور کے ہسٹری سے نہیں کم  
وہ چاہیں تو محروم کو مرحوم بنا دیں

موقع جو ملے دلش کے نیتاؤں کو اک دن  
ہاتھوں سے قلم چھین کے تلوار بٹھا دیں

کس طرح غذاؤں میں وِٹامن ہوں میسر  
بیجوں میں ملاوٹ بھی ہے ناقص بھی ہیں کھا دیں

آؤ کہ حَسیم آج گلے مل لیں خوشی سے  
اور دالِ محبت کی محبت سے گلا دیں





ہم تو ٹہرے سدا کے ہوئے ہی  
پھنس گئی سمجھے، اس کے ہنستے ہی

غیر کیوں آئیں گے سمانے کو  
ہاتھ دیتے ہیں یار اپنے ہی

شیر جو تھا وہ بن گیا چوہا  
رات کے نشہ کے اترتے ہی

پیٹ کا سب غبار دور ہوا  
اک ذرا راز کے اُگلے ہی

چاپلوسی، خوشامد و منت  
کام آتے ہیں سب وسیلے ہی

وہ تو اب پڑ گئے مرے پیچھے  
میں نے بس کہہ دیا تھا ایسے ہی

ہے اثر آج سینا کا رحیم  
باپ ہنستے ہیں آج بیٹے ہی





شاغر ہمارے دور کے سجاد ہو گئے  
لکھ کے قصیدے اوروں کے زردار ہو گئے

جیسے DIABETIC میں گرفتار ہو گئے  
میٹھے ہماری غزلوں کے اشعار ہو گئے

اُلٹے ہمارے دور کے کردار ہو گئے  
دیوار و در گر اسکے وہ معمار ہو گئے

محبوبہ سے وہ بیوی بنے فرق یوں ہوا  
جو شاخ گل تھے اب وہی تلوار ہو گئے

کمپیوٹروں کا دور ہے ٹی وی کی تربیت  
بچے سمے سے پہلے ہی ہوشیار ہو گئے

مقتل بنے لاکھوں نہ ہمارا عزیز دلش  
رہزن جو تھے وہ قافلہ سالار ہو گئے

ہر کوئی ہم کو دیکھتا ہے اس طرح حتم  
گویا کہ چلتے پھرتے ہم اخبار ہو گئے





نام مشہور جو ہمارا ہے  
اپنے پیچھے بڑا ارادہ ہے

یہمانوں کو مُرغ بریانی  
میں زبانوں کو صرف کھا رہا ہے

جو تنہا بستی کا ایک بڑا غنڈہ  
آج کل رہنا ہمارا ہے

گر ہوں ہر شد سے چار چھ پیدا  
سمجھو ہر بنک میں خسارہ ہے

ریس بندی نہیں ہے اب ممکن  
اس پہ سرکار کا گزارہ ہے

ہارنے والا ریس میں گھوڑا  
وہ بھی دُم دار اک ستارہ ہے

چمچ گیری ہے آج کا ہتھیار  
اب سکندر نہ کوئی دارا ہے

لوگ مرتے ہیں شاعری پہ مگر  
ہم کو اس شاعری نے مارا ہے



دام بھی بڑھ گئے ہیں ٹیکس کے ساتھ  
 پھنز بٹ میں یہ کیوں خسار ہے  
 ہائے نسرین بن گئی رشتہ  
 کیا یہ شیطان کا اشارہ ہے  
 ہے کرپشن ہر ایک شعبے میں  
 یہ تو معمول ہی ہمارا ہے  
 ہم ہیں شیطان کی طرح مشہور  
 دور درشن کا یہ سہارا ہے  
 ہے تو شادی شدہ حسیم مگر  
 ایسا لگتا ہے وہ کُنوار ہے



شاعری کھاتی رہی بھیجہ برابر اپنا  
 یاد جو داس کے سلامت ابھی سر اپنا  
 ہم بڑے شعروں کو اپناتے ہیں اس مقصد سے  
 تاکہ کوئی نہ پڑھے شعر چر کر اپنا





اب یہ تگ بندوں کی کثرت نہیں دیکھی جاتی  
شاعری، تیری جماعت نہیں دیکھی جاتی

میں ہوں ایم۔ آ تو مجھے دیجیے لاکھوں کا جہیز  
مال اچھا ہو تو قیمت نہیں دیکھی جاتی

بھائی دینا ہے تو دے دو یہ ریا کاری کیوں  
”مانگنے“ والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

ہم ہیں جنت کی حقیقت سے بھی واقف اسخ  
اب تھیلی میں تو جنت نہیں دیکھی جاتی

رکھ کے شکر کا مرض کھاتے ہیں سب دعوت میں  
یعنی دعوت میں عداوت نہیں دیکھی جاتی

لنگڑی لولی ہی سہی، مالِ غنیمت ہو بہت  
عقل کے اندھوں سے صورت نہیں دیکھی جاتی

صبح لیڈر جو چلے آتے ہیں ٹی وی پر حسین  
آنکھ کھلتے ہی نحوست نہیں دیکھی جاتی





نہ یہ حادثہ ہے نہ یہ خود کشی ہے  
نہ لاکر جہیز ایک دِلن جلی ہے

یہ دورنگ میں جو مری شاعری ہے  
کہیں اشکِ غم ہیں کہیں پرہیزی ہے

غزل آپ نے کہہ کے بوجھ کو دی ہے  
اسی کی بدولت مری شاعری ہے

محل ہے مُذکر تو شوہر کو کہیے  
مونث ہے بیگم تو پھر جھونپی ہے

نہیں کھانے کو بھی ہے بیاہ مفلس  
مگر نام اس کا تو مسٹر غنی ہے

ادھر سنجے دت ہے دھماکوں کی زد میں  
ادھر اور چکر میں مندا کنی ہے

رحیم آپ میں چالپوسی میں ماہر  
جدھر دیکھیے واہ واہ آپ کی ہے





سو جان سے فدا ہوں میں اس ایک جان پر  
جوں رنگتی نہیں ہے مگر اس کے کان پر

کو نا ہو طن زاپ ذرا سوچ کر کریں  
پہرے لگے ہوئے ہیں ہماری زبان پر

پہچھا کسی کا کرتا ہوا جب گیا وہاں  
”آئیں قطار میں“ یہ لکھا تھا مکان پر

آوارہ ہم نہ پھرتے شب دروڑ اس طرح  
اے کاش دل بھی ملتا کسی کی دکان پر

صیاد کا ہے ڈر تو کبھی گھونسلے کا خوف  
اس واسطے پرندے میں اونچی اڑان پر

کنے سے کٹ نہ جائے یہی سوچتا ہوں میں  
اپنی پتنگِ عشق ابھی ہے اٹھان پر

جب سے بنا ہوں شاعر خوش فہم اے رحیم  
رہتا ہوں میں زمیں پہ کبھی آسمان پر





آفت نہیں تو کیا ہے میاں یہ کران پر  
محصول کھادے بھی زیادہ ہے دھان پر

سردار جی پہ شک ہے کبھی ہے پٹھان پر  
آتی ہے آسج جب کبھی امن امان پر

اُردو کا مسئلہ ہو کہ مسجد کا مسئلہ  
ڈھاتے ہیں ظلم و جور وہ ہر بے زبان پر

اس طرح اشک پونچھتے ہیں رہبرانِ قوم  
پانی چھڑک رہے ہیں وہ بھلتے مکان پر

کرکٹ کا شوق میں نے تو پالا ہے اس لیے  
سیلی مری فدا ہے جو غمراں خان پر

بیرونی شاعروں پہ لٹاتے ہیں حسیم دُر  
اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چائے پان پر

شاگرد ہے حسیم جو تباہاں، عدیل کا  
ہے اس لیے عبور زبان و بیان پر





اگر فساد پہ تفسیر اُس نے کی ہو گی  
دہی فساد کی جڑ بن کے رہ گئی ہو گی

زمانہ آئے گا اک دن ادب کی دنیا میں  
کہ چالو کسی بھی اک شرطِ لازمی ہو گی

وہ شخص کہنے لگا کھا کے اک کشمیر قم  
وہ ایک موج تھی دریا میں بہہ گئی ہو گی

بایا شہر قلی نے جو تھا بڑا شاعر  
تو شاعروں کی یہاں کس طرح کمی ہو گی

لکھا کے اوروں سے جو شعر ٹھیک پڑھ کر  
یہ شاعری نہیں تو ہیں شاعری ہو گی

سنا کے شعر میں اُساد کے یہ کہتا ہوں  
غزل یہ میری گرو جی سے لڑ گئی ہو گی

بڑے ہی چاؤ سے کہتے ہیں جس کو بھابی  
رحیم ہونہ ہو بیوی غریب کی ہو گی





نہیں ہے جیب میں اک پائی میر گھر کے لیے  
مگھٹے میں تو ہے ٹائی کڑو فر کے لیے

خوشی خوشی سے تو شادی رچا لے بُڑھ سے  
کہ شیخ لایا ہے دیزا ترا قطر کے لیے

ہے عقد لڑکی کا لڑکی سے، کیا قیامت ہے  
”نئے نئے ہیں مناظر یہاں نظر کے لیے“

یہ شاعری ہے مرے خون میں شکر کی طرح  
علاج کوئی نہیں ہے یہاں شکر کے لیے

نہ قتل و خون نہ دُکھ و فساد شہر ہیں ہو  
تیرس رہا ہوں میں ایسی کسی خبر کے لیے

تُو ال ماں کو ہے تحفہ تو باپ کو دوستی  
ہے میکسی ساس کو تو سوٹ ہے جھسر کے لیے

جو بوجھ میرا، مرے خاندان کا ڈھولے  
میں جوں حتم پریشان ایسے گھر کے لیے





ساتھ قارون کے میرے جو خزانے ہوں گے  
میں چلوں گا تو میرے ساتھ زمانے ہوں گے

صرف وعدے ہی کیے جاؤ تم لے نیتاؤ!  
دور کے ڈھول ہیں بے شک وہ سہانے ہوں گے

چاہے آندھی ہو کہ طوفان اگر بزم سے  
ہم کو ہر حال میں اشعار سنانے ہوں گے

نئی بوتل میں پرانی ہی شرابیں ہوں گی  
صرف انداز نئے شعر پرانے ہوں گے

کیسے اک نیام میں رہ پائیں گی دو تلواریں  
اک جگہ مسجد و مندر جو بنانے ہوں گے

جلا رہتا ہوں میں جو روز ہی ایترہ گڈہ  
جو بھی آئیں گے میرے ساتھ دوانے ہوں گے

اس زمانے میں اگر چین سے رہنا ہو حسیں  
کچھ نہ کچھ پیسہ ریالوں کے اگلانے ہوں گے





ہو دل دکھاتی ہو وہ دل لگی پسند نہیں  
مجھے ہے طنز گوارا ہنسی پسند نہیں

میرا کلام ہے مقبول اس لیے کہ، مجھے  
مزاح و طنز میں ہے ہو دگی پسند نہیں

ہو چاہے کسی ہی مل جائے تو عنایت سے  
جو ہاتھ آئے وہ پری پسند نہیں

اسی لیے ہوں میں مقبول اُن کی محفل میں  
مجھے کسی کی بھی چمچہ گری پسند نہیں

تساؤ بڑھتا ہے اس کے تو کم نہیں ہوتا  
ہر ایک بات میں یہ برہمی پسند نہیں

محل میں اس لیے کہتا ہوں اپنی بیگم کو  
یہاں غریب کو بھی جھونپری پسند نہیں

رحیم آپ اُکالتے نہیں کوئی سولج  
ہمیں تو آپ کی یہ شاعری پسند نہیں





یہ سچ ہے جاہلِ مطلق ہوں نامِ فاضل ہے  
یہ راز کیسے میں کھولوں عجیب مشکل ہے

اگرچہ کہنے کو سینے میں میرے اکِ دل ہے  
اسی میں ماہِ جبینوں کی پوری محفل ہے

دراصل ہم تو ہیں فرہاد و قیس کے پیرو  
”روِ طلب میں کسے آرزوئے منزل ہے“

سیاہ فام ہے سیگم قسم ہے نامِ اس کا  
خدا کی شان کہ تقے میں ماہِ کامل ہے

سکھاکے شاعری میدان میں جسے لایا  
وہ چیلہ ٹھونک کے غمِ لبِ مرے مقابل ہے

ہے اُسی سال کا شیخِ لوسہ ہے جواں دل  
کسی طرح سے جو قابل نہیں مقابل ہے

رحیمِ قتل بھی ہو کر ہے مودِدِ اِتمام  
اُدھر دھڑلے سے آزاد ہے جو قاتل ہے





اِس مَعْرکے کو خاص سلیقے سے سر کریں  
والد سے بھی زیادہ لحاظ خسر کریں

ہو جائے عشق کا نہ دھماکہ کہیں کوئی  
دل میرا ایک بم ہے اسے بے اثر کریں

تبقت کیا ہے اُس نے مرے گھر پہ ٹھٹھا سے  
میں نے کہا تھا آکے مرے دل میں گھر کریں

ہو گا قدم قدم پہ ٹریفک کا مسئلہ  
کاندھے پہ میرے بیٹھکے گردہ سفر کریں

مارا ہوا ہوں میں اُسی تر چھی نگاہ کا  
تر چھی سہی دوبارہ بھی مجھ پر نظر کریں

میں ہوں سرِ یضِ عشق ہے ترس رو برد  
اِس طرح سے علاج مرا چارہ گر کریں

حد ہو چکی ہے ضبط کی کہہ دو حسیم سے  
محل پہ رحم کھائیں غزل محقر کریں





اُنھیں مذاق ہی لگتا ہے میرا رونا بھی  
رستم ظریفی ہے بے شک ظریف ہونا بھی

ادب ہے شاعری میری ہے وہ کھلونا بھی  
اسی کو پڑھ کے ہے ہنسنا بھی اور رونا بھی

رہانہ یاد تمہیں شاعری میں سونا بھی  
ہوئی ہے رات بہت اب تو گھر چلونا بھی

ہماری باپ کی جاگیر ہے یہ شعرِ ادب  
ہے اور ہنسا بھی یہی اور یہی کچھونا بھی

ہم ایسے ہو گئے مانوس بد نصیبی سے  
کہ ہم پہ چل نہیں سکتے ہمارے پاؤں نا بھی

وہی تو کھٹے ہیں انگور جو نہ ہمارے آئیں  
ہماری حق میں ہے پتیل کی طرح سونا بھی

وہ مسندوں پہ عداوت کی بیٹھتا ہے رحم  
جسے نصیب نہیں گھر میں اک کچھونا بھی





بات بیگم کی نہ ٹہلی جائے گی  
ساس ہے اس کی نکالی جائے گی

یہ تو لگتی ہے کوئی معسب نہ  
گھر میں یہ آندھی نہ پالی جائے گی

نر کے توبہ کی ہے توبہ ہے ٹھیک  
آج توبہ توڑ ڈالی جائے گی

کیا پستہ تھا پیش رو استاد کو  
پچھلی اُن کی بھی اُچھالی جائے گی

دور ایسا آگیا آرام کا  
دال کو کر میں گھلاتی جائے گی

مگر ترقی کا یہی عالم رہا  
پھر تو پانی سے ہوا لی جائے گی

مرد کی کھیتی ہے یہ ڈارھی حیم  
جب بھی جی چاہا اُگالی جائے گی





خیمات کا بھی جب کوئی ساغر اٹھایا  
میخانہ سارا آپ نے سر پر اٹھایا

اک قطرہ خون جب نہ بچا میرے جسم میں  
کھٹمل نے اپنا بوریہ بستر اٹھایا

دھوکا دیا ہے میں نے بھی اندھے فقیر کو  
کاغذ تھا کے ہاتھ سے چلڑا اٹھایا

چشمہ لگا تھا آنکھوں پر غربت کا اس لیے  
کاغذ کو میں نے نوٹ سمجھ کر اٹھایا

اللہ کے گھر کا مال بھی ہے اپنے گھر کا مال  
مسجد سے میں نے اس لیے کولر اٹھایا

صیاد نے ٹٹولا کسی گھونسلے کو پھیر  
مادہ کو اُس نے چھوڑ دیا نر اٹھایا

کیوں جل کے خاک ہم نہیں ہوتے پھر ارجیم  
سورج کو ہم نے چاند سمجھ کر اٹھایا





ایسی دیسی ہوں تو محفل کے حوالے کر دو  
 اچھی غزلوں کو کہ سائل کے حوالے کر دو

کوئی تنقید کرے گا نہ میرے شعروں پر  
 میرے دیوان کو چارھل کے حوالے کر دو

مسئلہ جلد ہی ہو جائے گا حل اُردو کا  
 اپنی اُردو کو بھی ٹاٹل کے حوالے کر دو

شر میں فن ہی رہے گا نہیں آئے گا خیال  
 یوں نہ مفعول کے فاعل کے حوالے کر دو

مگر، دھڑلے سے چلاتی ہے حکومت تم کو  
 قوم کو ساری مسائل کے حوالے کر دو

تیز طرار ہے بیٹی جو تمہاری مٹر  
 دھونڈ کر تم کسی فاعل کے حوالے کر دو

بھوت تم پر کھنکھاتا شاعر مرحوم کا ہو  
 اے رحیم اپنے کو عاقل کے حوالے کر دو





میں نہیں کہتا کبھی جی کا زیاں ہے زندگی  
جبکہ وقفِ حُسن ہے، نذرِ بُبّاں ہے زندگی

جسم میں نفرت کا لاڈا بہہ رہا ہے اس طرح  
ایسا لگتا ہے کہ اک آتش فشاں ہے زندگی

ہے لبوں پر شیخ کے یا اُھو دکھانے کے لیے  
ورنہ اندر سے تو وقفِ مہ و شاں ہے زندگی

اب تعصیب بے پڑھ کے اپنا نام روشن کھجے  
مرثیے پڑھنے کے باعث نیم جاں ہے زندگی

ہوٹ ہوتی ہے کبھی تو داد پاتی ہے کبھی  
شاعری کی طرح سے اک استملاں ہے زندگی

آج کل خود دار کی وقعت نہیں کوئی یہاں  
چاپلوسی کیجیے تو کامراں ہے زندگی

ویسے ہے شاعر ہزراح و طغنز کلبے شکِ حتم  
خونی قسمت کہ اس کی نوہ خواں ہے زندگی





مجھ کو کہیں اے دوست غمِ بدزگاہ ہے  
شکرِ خُدا مُریدِ مرا مالِ دار ہے

کو تا ہوں روزِ اکِ نئی محفل کا انعقاد  
شہرت کا بھوت سر پہ جو میرے سوار ہے

اعلان ہے کہ جو بھی بنائے گا مجھ کو صدر  
ہر وقت اُس کے واسطے حاضر یہ کا ہے

ایم جے اہوں میں یہ ڈگری ہے ”میریڈ اگین“ کی  
مضبوط اس طرح مرا عسکر و وقار ہے

رہلت کی آبرو کو ملاتا ہے خاک میں  
یسٹڈ ہمارا کتنا بڑا خاکِ سار ہے

ہر مصرعہ چار بار سناتے ہیں وہ رحیم  
ہر شعر جن کا اہلِ سماعت پہ با ہے

یہ کہہ کے مضحکہ نہ اڑاؤ رحیم کا  
”ہندوستان کا تو بھی دلاور نکار ہے“





لیڈری نام ہے مٹکاری کا عتاری کا  
میں نے بھی سیکھ لیا فن یہ اداکاری کا

رہزنی سیکھ لیں ان قوم کے سالاروں سے  
شوق ہو آپ کو گر قافلہ سالاری کا

کوئی سچ بات اگر کہہ دے حکومت کے خلاف  
اس پہ الزام لگا دیتے ہیں غداروں کا

کاٹ کر چوری سے اسٹیمار لگا دیتا ہوں  
گتہ لے دکھا ہے میں نے جو شجر کاری کا

کان میں ہرج، گلے میں ہے پودینہ یارو  
بھاؤ سونے کے برابر ہے جو ترکاری کا

شیر بازار کی گڑ بڑ تو دھماکوں کا چلن  
واقعہ بھولے ہیں توپوں کی خریداری کا

آج بی۔ ایم بھی ملوث ہے جو رشوت میں جھیم  
اب اثر دیکھنا ہو گا ہمیں چنے کاری کا





ہے جو معصوم اُسے آج سزا دی جائے  
حق و انصاف کی دیوار گرا دی جائے

سُننے والوں کو بھگانا ہو اگر محفل سے  
اک غزل بھونڈے ترنم سے سُنادی جائے

قلم بینی کے لیے شرط نہیں نسلوں کی  
ساتھ پھر کس لیے پوتی کے نہ دادی جائے

دوڑ ملا کی ہے محدود فقط مسجد تک  
اس سے بڑھ کر نہ اُسے اور سزا دی جائے

اس جگہ بیج وہ بوئے کافسادوں کے ضرور  
جس جگہ اوڑھ کے نیا کوئی کھادی جائے

اچھے شاعر کو پہنچنے نہیں دے گا وہ دہاں  
جس جگہ آپ کا شاعر وہ مٹا دی جائے

پھر بُرائی نہ کرے گا وہ کبھی مے کی رتیم  
راہ میخانے کی واعظ کو دکھا دی جائے





آپ کہتے ہیں کنوارا تو گوارا ہے مجھے  
قول جھوٹا ہے مگر جان سے پیارا ہے مجھے

باتیں سُنے کو جو ملتی ہیں بہت میٹھی ہیں  
اور میسر جو ہے کھانے کو وہ کھارا ہے مجھے

اے میاں کون ہو تم کس نے دی دعوت تم کو  
کتنے اخلاص سے ظالم نے پکارا ہے مجھے

اپنی زلفوں میں سنجایا ہے جو اک پھول اُس نے  
رات کو باغ میں ملنے کا اشارا ہے مجھے

اپنے فیشن کی بہا کرتی ہے اُلٹی گنگا  
اُن کو پستلون میسر تو غرارا ہے مجھے

مرد و زن دونوں ہی صورت کو نکا کرتے ہیں  
میرے گھر والوں نے اس طرح سنوارا ہے مجھے

ہے فلک میرے لیے ریس کا میدان رحیم  
ریس کا گھوڑا بھی دُم دار ستارا ہے مجھے





اولاد ہوئی تیرے جوٹی دی کے اشمے  
دبتا ہوا ملتا ہے پدر اپنے پسرے

اب مادہ کبوتر کوئیں بھیجوں گا ترے گھر  
خط لانے کی اُمید نہیں ہے مجھے ترے

میں اُن کو صدارت پہ بٹھانے کا ہوں قائل  
جو آتے ہیں کویت سے جدہ سے قطر سے

یہ خول انا ٹھیک نہیں ہے برے ہمد  
بلہر بھی نکل آئے مخدوش کھنڈر سے

ریکوت دھماکوں کا زمانہ ہے یہ صیاد  
اب ڈر ہی نشیمن کو نہیں برق و شر سے

میں عشق کا اندھا ہوں اسی واسطے چپ ہوں  
شرمندہ شب تار بھی ہے ان کے کلر سے

کس طرح سے لے جاؤں رحیم اپنے گھر اس کو  
چوڑا نہیں دروازہ مرا اس کی کمر سے





راؤ جی کے پانچ سالہ دور کا انعام ہے  
جس طرف بھی دیکھیے اسکام ہی اسکام ہے

ہیں منسٹر جیل میں کیا گردشِ ایام ہے  
جس جگہ ٹہنایاں تھیں اس جگہ کُہرام ہے

کیا زمانہ ہے ضمانت تک نہیں ہوتی قبول  
اب سنا ہے جمیل میں آرام ہی آرام ہے

دیکھتے جاؤ ہوا ہے دیش کتنا کھوکھلا  
یہ حوالہ کیس تو پھوٹا سا اک الزام ہے

ڈائری جو جین کی تھی، کھول دی ہر ایک پو  
جو کبھی تھا نامور، وہ آج کل بنام ہے

دیکھنے کے واسطے گاندھی کا چیلہ ہے مگو  
جھانک کر اندہ سے دیکھو تو وہ نا تھورام ہے

ہم حوالے کے حوالے سے یہ کہتے ہیں عریم  
سارے شنگے ایک ہا ہوں گے یہ وہ حام ہے



## لعنت جہیز کی

دل سے نکالو دوستو آفت جہیز کی  
کوئی ہے دور ہم کو یہ لعنت جہیز کی

دیکھ کی طرح چاٹ رہی ہے سدا ج کو  
جب سے کہ چل پڑی ہے روایت جہیز کی

غیر حرام فکر سے ماں باپ کی ہوئیں  
اک مستقل عذاب ہے آفت جہیز کی

اپنی بہن کو بھی تو اٹھانا ہے کل کے دن  
تم کو بھی کل اٹھانی ہے زحمت جہیز کی

جھٹکنے لگی ہیں آگ میں اب دُہنیں جناب  
ایسا عذاب بن گئی علت جہیز کی

شوہر پہ ایسے بھیجیے لعنت ہزار بار  
بیوی سے بڑھ کے ہے جسے حسرت جہیز کی

لائی تھی اپنے ساتھ جو اک نازنین رحیم  
اب تک چکا رہا ہوں میں قیمت جہیز کی





ہائے نیتاؤں نے کب ہوش سنبھالا یارو  
پھٹ پڑا جب کہ حوالے کا جو الایارو

ہوش نیتا کے اڑا تا ہے حوالہ یارو  
سامنے آیا ہے ہر ایک گھٹالہ یارو

سب کا دعویٰ تھا یہاں روشنی لانے کا مگر  
دل نظر آتا ہے ہر ایک کا کالایارو

کھالیا تھا جو بڑے شوق سے لی تھی نہ ڈکار  
مُنہ سے اب اُن کے نکل آیا نوالہ یارو

دے کے استغفا سمجھتے ہیں بڑا کام کیا  
حُسنِ کردار کا مُنہ کر دیا کالایارو

ہاتھ میں آئے اگر ان کے نظمِ شمس  
بیچ کھائیں گے یہ سورج کا اُجلا یارو

سب مَڑے لے کے اُڑاتے ہیں حکومتِ کلنلق  
دل گیا سب کے لیے مَرچِ مالا یارو





جن سے بدنام ہوا جس اتا ہے  
ایسے لوگوں کا کرو "دیش نکالا" یارو

پارسانی کی جو تقریریں کیا کرتے تھے  
پڑ گیا اُن کے بھی اب ہونٹوں پہ تالا یارو

شرم آتی ہے ہمیں دیکھ کے کروت ان کے  
کیسے لوگوں سے پڑا تھا ہمیں پالا یارو

بُن کے سادھو جو پھرا کرتا تھا اعزاز کے ساتھ  
وہ حقیقت میں تھا شیطان کا سالا یارو

جیبیں بھرتے رہے لیکن یہ کہاں سوچا تھا  
چَین لُٹے گا یہی جین حوالہ یارو

ہیں جو نیتاؤں کو سونے کے نوالے حاضر  
ہم غریبوں کو کہاں ایک نوالہ یارو

ڈائری جین کی ہے کتنی اہم مت پوچھو  
اے رحیم اس پہ لکھو تم بھی مقالہ یارو





نہ مال و زر کا ہے طالب نہ مرتبہ چاہے  
جو شعر کہتا ہے وہ صرف واہ وا چاہے

کسی بھی دشمن اُردو کو کوستے کیوں ہو  
”خود انقلاب بپا ہو اگر خدا چاہے“

غزل غزل ہے مضامین جس میں ہوتے ہیں  
ردیف اگر چیکہ اچھا سا قافیہ چاہے

امیر کے لیے جینے کی ہیں کئی شرطیں  
غریب آب و ہوا اور کچھ غزل چاہے

بنی ہے حشر کا میدان آج کی دُنیا  
ہر ایک شخص فقط اپنا ہی بھلا چاہے

چلے گا کام اگر زرس ہو خسیں و جواں  
مرض ہمارا فقط ایک ہی دوا چاہے

ہو عقد اُس کا کسی لکھ پتی کی بیٹی سے  
رحیم اس کے سوا اندھا اور کیا چاہے





کہیے کہ دواؤں میں اثر ہے کہ نہیں ہے  
اس عمر میں سیدھی یہ کر ہے کہ نہیں ہے

قابض ہے وہ سُرا ل کے سُرا ل پر اب تک  
دلدادے آگے وہ خُسر ہے کہ نہیں ہے

بانی ہی ہوئے شہر کا عاشق تھا تو کہیے  
یہ شہر برا پریم نگر ہے کہ نہیں ہے

سُرخ آب میں پی کر اڑا کرتا ہوں خُلا میں  
سُریں برے سُرخاب کا پُر ہے کہ نہیں ہے

ہوٹنگ ہے کہیں تو کہیں ملتی ہے مجھے داد  
کہیے برے شعروں میں اثر ہے کہ نہیں ہے

کھنچ کر چلا آتا ہے برے سلنے دِلبر  
آہوں میں حسیم اپنی اثر ہے کہ نہیں ہے





انتخابات ہیں تیار، خدا خیر کرے  
پھر قیامت کے ہیں آثار، خدا خیر کرے

ملت منزل کا ہے دشوار، خدا خیر کرے  
رہنماؤں کی ہے بھرمار، خدا خیر کرے

دیش میں کیوں نہ جہرا تم میں اضافہ ہوگا  
رہنما خود ہیں خطاوار، خدا خیر کرے

ہائے کیا ہوگا الیکشن کا خدای بھانے  
سز پلٹکی ہے یہ تلوار، خدا خیر کرے

اشک اپنے وہ بہکتے ہیں مگر چھ کی طرح  
رہنما اپنے ہیں مکار، خدا خیر کرے

جس کے سائے میں کھڑی آج رعایا یہ غریب  
وہ تو بوسیدہ ہے دیوار، خدا خیر کرے

سب کی نظریں ہیں فقط اپنے ہی جیبوں پر جم  
کوئی اپنا نہیں غم خوار، خدا خیر کرے





وہ بھلائی کرے یا بُرائی کرے  
کام ناقہ کا ہے بس پِٹائی کرے

رہزنی ایسے نیتاؤں کی ہو گئی  
جس طرح سے کوئی رہنمائی کرے

نام ڈاکو کا کیوں آج بدنام ہے  
کام یہ تو ہر اک گھر جنوائی کرے

شاعری ہے ادب، سُن اوبے ادب  
یوں سسڑک پر نہ ٹوہتا پائی کرے

آج ہوٹل میں شاعر سنا کر غزل  
اک گویے کی بھی پابجائی کرے

سُن کے میری غزل چُپکے وہ اس طرح  
انتقامی کوئی کارروائی کرے

اس میں پوشیدہ ہے عافیت اے تھم  
”آدمی سوچ کر لب کُشائی کرے“





خاص خبروں کو چھپاتا ہے ہمارا ٹی وی  
انسٹریشن ہی بتاتا ہے ہمارا ٹی وی

لوریاں دے کے سلاتا ہے ہمارا ٹی وی  
اور پھر صبح جگاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُن سے وعدہ ہے مگر دقت چتر بار کا ہے  
عشق میں ٹانگ اڑاتا ہے ہمارا ٹی وی

فلم ہم دیر گئے دیکھ کے کب سوئیں گے  
رات بھر ہم کو جگاتا ہے ہمارا ٹی وی

قتل اور خون کی تشہیر کیے جاتا ہے  
خبریں تھوڑی ہی دکھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اپنی شہرت میں اضافہ ہے اسی کے دم سے  
شان اپنی بھی بڑھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُن کی نظریں ہیں فقط اُس پر مگر ہم یہ نہیں  
دل کو ہر دقت جلاتا ہے ہمارا ٹی وی



ہر کوئی آنے کبے چین ہے ٹی وی پر مگر  
کب کہاں سب کو بلاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُس پہ تنقید کی بارش ہی ہوا کرتی ہے  
دشمنوں کو کہاں بھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اشہارت سے ہے بیوی کی ہر فرمائش  
ہم کو ہر وقت لڑاتا ہے ہمارا ٹی وی

ذبحی رہتی ہی نہیں اپنے گھروں میں اکثر  
ہم کو رہ رہ کے ستاتا ہے ہمارا ٹی وی

اب تو کرکٹ کا زمانہ ہے خدا خیر کرے  
اپنے پچھلے ہی چھوڑتا ہے ہمارا ٹی وی

دُور درشن کی عنایت سے یہ شہرت اپنی  
اے حسیم آپ کی کاتا ہے ہمارا ٹی وی





وہ قید کرتا بھی ہے اور چھڑا بھی دیتا ہے  
کو مجرموں کو یہ LAW آسرا بھی دیتا ہے

پراغِ خانہ کو رکھنا بڑی حفاظت سے  
یہ روشنی ہی نہیں گھر جلا بھی دیتا ہے

ہری غزل ہر اشاعر دہس و قار کے ساتھ  
نہ صرف پڑھتا ہے بلکہ چھپا بھی دیتا ہے

شجر یہ لگتا ہے جیسے غریب کا سُرا  
یہ پھول پھل ہی نہیں آسرا بھی دیتا ہے

خدا رکھے مرے استاد کو مرے سر پر  
غزل کے ساتھ مجھے وہ دُعا بھی دیتا ہے

ہماری دُور کالیڈ ہے اک بڑا فنکار  
وہ گھپلے کرتا ہے دُربِ انا بھی دیتا ہے

رحیم صرف ہنساتا نہیں ہے شعروں سے  
دلوں پہ طنز کے نشتر چلا بھی دیتا ہے





نام اپنا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں  
 ہم فقط اس لیے انبار پڑھا کرتے ہیں  
 ساتھ فوٹو کے جو اشعار چھپا کرتے ہیں  
 اپنے اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں  
 ہم لبک کر جو کبھی شعر پڑھا کرتے ہیں  
 اچھے اچھوں کے بھی اوسان خطا کرتے ہیں  
 کیا پڑی غیروں کو شہرت سے جلے جو اپنی  
 اپنی شہرت سے تو اجاب جلا کرتے ہیں  
 گدگد جاتی ہیں احساس کو میری باتیں  
 لوگ سُن کر برے اشعار ہنسا کرتے ہیں  
 بلکے ایوان میں ہوٹل میں سُناتے ہیں غزل  
 اب تو منٹار بھی پیسوں میں دھکا کرتے ہیں  
 اپنی تعریف تو خود اپنے کو کرنی ہے رستم  
 کم نظر لوگ ہیں تنقید کیا کرتے ہیں





بد اصل بد قماش نہ تھے، بے حیا نہ تھے  
ایسے خبیث اپنے کبھی رہنا نہ تھے

شہرت کا شوق باعثِ ذوقِ سخن ہوا  
ہم شعر و شاعری پر کبھی بھی فدا نہ تھے

کہتے ہیں میرے بارے میں اکثر شریف لوگ  
ذاتِ شریف پہلے تو یوں پارسانہ تھے

فرشی سلام مار کے ایواں میں گھس گئے  
شاعر ہمارے شہر کے یوں بے آنا نہ تھے

کچھڑا چلتے ہیں جو اس کے رقیب اب  
کیا وہ رنسیقِ شاعرِ جاہم آنا نہ تھے

ٹی وی کی تربیت نے کیا ہے بڈرا ہمیں  
بچے ہمارے ایسے کبھی بے حیا نہ تھے

اب دشمنوں نے ہم کو کیا مُشتعلِ رحم  
مہم شاعریِ کلام پر مار لیں ذرا نہ تھے





دیا سلائی کی مانند گھس گھسا کے مجھے  
 ”تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے“

رکھا ہے میرے محل نے ستا ستا کے مجھے  
 سکون بلتا ہے ان محفلوں میں آ کے مجھے

میں امتحانِ وفا میں ضعیف ہو جاؤں  
 تو کیا کرے گی بری جان آ ز ملکے مجھے

ہے سارے دیش کی دولت تہلے کھاؤں میں  
 دکھاؤ نقتے نہ اس طرح اب ریا کے مجھے

میں اچھا خاصا عتاب مجھ کو مریض کر ڈالا  
 چلا گیا ہے وہ میری غزل سنا کے مجھے

میں جس طرح سے یہ پیسے چھپا کے دیا ہوں  
 اسی طرح سے غزل بیچے چھپا کے مجھے

رحیم خواب میں اُن کے میں ایسے جاؤں گا  
 وہ جگنے ہی پکاریں گے ہڑا کے مجھے





کب کس کے گھر میں آئے خُسرِ یہِ خُسر نہیں  
”آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں“

جنت ہے مجرموں کی ہمارا وطن، یہاں  
انصاف کا خطہ نہیں، منصف کا در نہیں

پتہ کمر کا کیوں نہ گلے میں ہی ڈال دوں  
معشوق وہ ملا ہے کہ جس کی کمر نہیں

زلفیں کٹی ہوئی ہیں تو بازو ہیں بے لباس  
چڑیا وہ ایسی ہے کہ جسے بال و پر نہیں

مجھ کو بنا کے صدر، بُلا کر تو دیکھیے  
پا ہے مشاعرہ، ہو جہنم میں ڈر نہیں

کہتے ہیں لوگ عشق کو اندھا، اسی لیے  
دنیائے عشق میں کوئی صاحبِ نظر نہیں

دلدار ہوں تو گھر کا میں دادا بھی ہوں حتم  
مجھے نظر ملے مائے محالِ خُسر نہیں





اک نرس کیا ملی کہ دوا خانہ مل گیا  
بیڈ روم مجھ کو مفت ملا، کھانا مل گیا

بُن کر مریض یو نہی رہو تم تمام عمر!  
اُس کا یہ مشورہ بھی رنسیقانہ مل گیا

اُردو کے مدرسہ میں ملی ہے جو نوکری  
ایسا لگا مجھے کوئی دیرانہ مل گیا

بسیٹی جو بوڑھے شیخ کو دیدی تو کیا ہوا  
بنگلہ خُسر کو سالے کو دھنگانہ مل گیا

فیشن کچھ ایسا چل گیا رنگیں لباس کا  
ہرا کے خود زمانے سے مردانہ مل گیا

پردانے کو دکھا کے مجھے ہنس رہے ہیں وہ  
اس طرح اُن سے عشق کا پروانہ مل گیا

کیا کیا نہیں ملے بُت ملتا از دوستو  
دفتر کے نام پر مجھے بُت خانہ مل گیا

اب پھر کبھی کسی کے نہ بننا میاں رحیم  
بیگم کا مشورہ بھی رنسیقانہ مل گیا





میرے اُن کے اٹوٹ بندھن ہیں  
میں ہوں خشک وہ میری کھرچن ہیں

چل رہی ہے زبان قینچی کسی  
آپ معشوق ہیں یا کس جن ہیں

ایک مصرعہ بھی لکھ نہیں سکتے  
اب بہت ایسے ماہر فن ہیں

رنگ کالا ہے اور مٹی اسکرٹ  
وہ تلنگانہ کی فرنگیں ہیں

زُر، زیں، زن فساد کی ہڑتوں  
سائے بنگالے اُن کے کارن ہیں

میری نظریں ہیں اُن کے ہاتھوں  
اُن سے بہت تو اُن کے نگین ہیں

جیت ہے شہرت ہوئی نصیبِ حتم  
دکھتے کم اور زیادہ دشمن ہیں





بکرا بنا کے یوں مجھے مسلخ میں لانا دے  
شادی کے نام سے کوئی مجھ کو دغا نہ دے

شعلہ بدلی کو لایا ہے نٹ پاتھ سے جو تو  
”اک دن یہ آگ تیرے ہی گھر کو جلا نہ دے“

کنکا، یہ ہے نہ ہاتھ میں گنجنے کے میرے یار  
اندھے کے ہاتھ میں تو کبھی آئینہ نہ دے

دور نہ وہ تیری راہ میں تھمہ ڈھکھائے گا  
بھولے سے اُن کے در کا اُسے ٹوپہ نہ دے

پنچسل گورہ کے نام سے ڈرتا ہے سید اربل  
مجھ کو ٹوکوٹے یار کی آب و ہوا نہ دے

کوئی سُنائے میری غزل، میرے رُو برد  
ایسی سُننا کبھی مجھے میرے خدائے دے

وقتِ اخیر بھی ہے ظرافتِ حسیم کی  
سُن کر فرشتہ موت کا بھی مسکرا نہ دے





کسی عزّت د کسی آن سے وابستہ ہے  
میرا معدہ تو فقط نان سے وابستہ ہے

دل ہمارا اُسی بی ہمان سے وابستہ ہے  
جو محلّے کے پہلوان سے وابستہ ہے

اب لپ اسٹک ہے مُیتر تو جُکالی کیوں ہو  
اب کہاں سُرخِ لب پان سے وابستہ ہے

کچھ بنا سکتا نہیں مُلک ہمارا تنہا  
جو ترقی بھی ہے جا پان سے وابستہ ہے

ساتھ بگیم کے مجھے دیکھ کے کہتے ہیں کبھی  
یہ دیا وہ ہے جو طوفان سے وابستہ ہے

میزیاں بن گیا آیا تھا جو مہماں بن کر  
میرا گھر اب اسی مہمان سے وابستہ ہے

میری وابستگی استاد سے اتنی ہے حسیم  
ہر غزل اُن کے ہی دیوان سے وابستہ ہے





عقد اک قیدِ مسلسل ہے سمجھتا کیا ہے  
ایک زنجیر ہے قیدی کی یہ سہرا کیا ہے

”زہر پی لوں گا ترے ہاتھ سے صہبا کیا ہے“  
میں بھی اس دور کا سقراط ہوں سمجھا کیا ہے

سِر کے سوئے کاپا ذکر تو پوچھا اُس نے  
کوئی منڈی میں ملتا ہے یہ سودا کیا ہے

چاہتا ہے کہ میں کا نہ ہوں پٹھالوں اس کو  
دیکھتے ہی مجھے اس کا یہ لسنگز نا کیا ہے

ایک سگریٹ کی ڈبئی کے عوض دو غنزیں  
سودا ایسا ہو تو خود سوچے مہنگا کیا ہے

دارا تنی برے مجھول سے شعروں پر بھی  
یہ بتائیں تو ذرا آپ کا منشا کیا ہے

مجھ سے شہرت کا پُجاری یہی کہتا ہے حتم  
کام سے کام رکھو نام میں رکھا کیا ہے





چہرہ دار مہی کے ہوا ہو مجھے منظور نہیں  
شیخ اور بال صفا ہو مجھے منظور نہیں

میں تو بھونرا ہوں ہر اک پھول پر مست لادوں گا  
دل فقط تم پر پیدا ہو مجھے منظور نہیں

رُٹھنے اور مٹانے میں مزا آتا ہے  
صُن راضی بہ رضا ہو مجھے منظور نہیں

صرف اک مجھ کو کہے شاعر اعظم دینا  
کوئی بھی مجھ سے بڑا ہو مجھے منظور نہیں

لوگ کہتے ہیں تو کہنے دو بلاؤں مجھ کو  
مُرنِغ دستر پہ بچا ہو مجھے منظور نہیں

میں مُنڈ کر ہوں برا کیا ہے موت تم ہو  
تم کسی اور کو چاہو مجھے منظور نہیں

عشق کرنا ہے مجھے کرتار ہوں گا میں حقیم  
تم سے شادی کی سزا ہو مجھے منظور نہیں





ہوا ماشقی میں کیسا مری عسمر کا خارہ  
وہ تو بن گئی ہیں دادی میں ہول آج بھی کنڈرا

ہے فدا سولشیوں کی برے لیدوں کا چارہ  
اسی واسطے بحث میں ہے مسلسل اب خسارہ

اسی شاعری میں میں نے کئی چہ چھکے مارے  
سبھی لوگ کہہ رہے ہیں مجھے شاعری کا لاآرا

مجھے شک ہے شعر میرا نہ بھرے ہی خالص  
کہ پڑھایا جا رہا ہے اے کس لیے دوبارہ

نہوں شعر میرے جس میں تو وہ کس شمار میں ہے  
وہ کوئی بھی پور سا کہ وہ کوئی بھی ہو شمارہ

تمہیں کیا نہیں میسر ہے پڑوس کی بھی مرغی  
دکھلاؤ گھر بلا کر مجھے دالچہ بگھسارا

جو چپائے ہونٹ اپنے تو رحیم کی خطا کیا  
کوئی گھانس ہی نہ ڈالے تو کرے سکا کیا بچارا





اندھا ہے یہ سادون کا بچا بول رہا ہے  
ہر رنگ کو نیچا رہا بول رہا ہے

میخانہ کا ستانا یہ کیا بول رہا ہے  
گو یا ہے مڑا می نہ گھڑا بول رہا ہے

شاعر ہے وہ جدت کا بچا بول رہا ہے  
وہ رعب سے آندھی کو صبا بول رہا ہے

اٹو کی طرح بیٹھ کے میں سنا ہوں ب کچھ  
طوطا بری قسمت کا لکھا بول رہا ہے

آگے برے ٹک سکتا نہیں اب کوئی شاعر  
یہ میں نہیں شہرت کا نقشہ بول رہا ہے

آئینہ نہیں سلنے اس کے کوئی شاید  
کم قدم ہے مگر بول بڑا بول رہا ہے

دلداد تو داماد ہے بیٹا نہیں بنتا  
یہ تجر بہ برسوں کا مرا بول رہا ہے

توہین رحیم اس سے زیادہ تری کیا ہو  
ہر شخص تجھے شادی شدہ بول رہا ہے





گھپے گھٹالے اور مشاغل نئے

مقتل پر انا اور ہیں قاتل نئے

ہم ایک دل کی چاہ میں مٹی میں مل گئے

مٹی کے پکڑوں کو بے دل تھے نئے

ٹی وی کے اشتہاروں کا ایسا اثر ہوا

آنے لگے ہیں گھر پر مرے بے دل نئے

پہلے حسین بکوانے مرا دل چڑایا

اب جیب کاٹنے لگے حامل نئے

بچی بڑے جال اڑالے گئے تو کیا

صیاد بچا لے لے گا غدا دل نئے

اس واسطے میں جاتا نہیں اُن کے روبرو

رکتے ہیں میرے آگے مسائل نئے

جو اس اپنی تم بھی چھپا لو حسیم جی

اب تو نکل رہے ہیں رسائل نئے





رونا تو ہر اک شخص کی قسمت میں لکھا ہے  
ہنستا ہوں ہنساتا ہوں کیلجہ یہ مرا ہے

ورثہ میں ملی شاعری ہے شوقی قسمت  
یاروں سے شکایت ہے نہ اپنوں سے گلہ ہے

یوں ہی نہیں بچتے ہیں مرے نام کے ٹکے  
دن رات کی یہ جہدِ مسلسل کا صلہ ہے

اک شعر سلیقے سے بھی کہنا نہیں آتا  
خوش فہمی میں رہتا ہے کہ شاعر وہ بڑا ہے

مکمل ہی نہیں بچنا کبھی دام سے اس کے  
معشوق ہر ایم نے سنا ہے کہ بکا ہے

سینک تو لگا دیکھ لے تو ڈائری اپنی!  
شاید کسی کونے میں ہر انا م لکھا ہے

لیتے ہیں حریم آپ کا سب نام ادب سے  
ہے نام بڑا لمعہ میں کھیل کا کڑا ہے





چین دن کا فیند راتوں کی تڑی ہونے لگی  
اک وبالِ جان سیری شاعری ہونے لگی

عام میرے شہر میں یوں شاعری ہونے لگی  
ہو سنبل تیں نے سُنائی وہ تڑی ہونے لگی

مجھ کو انکل کہہ رہی ہیں شہر کی سب لڑکیاں  
بے مزہ اس طرح میری زندگی ہونے لگی

کوہکن کا اب نہ تیشہ ہے نہ مجنوں کا جنوں  
اُس نے دیکھا ہم نے دیکھا ماضی ہونے لگی

ہے مرضِ شکر کا مجھ کو شوی قسمت کا اب  
کھیر میری رفتہ رفتہ گھلتی ہونے لگی

رفتہ آ رہا ہے مجھ کو میری بیگم کا خیال  
ہوسم گر رہا ہے لیکن کس پہی ہونے لگی

کس تک اتراؤ گے اپنی خوش گھوٹی پر حتم  
رفتہ رفتہ بانسری یہ بے سُر ہونے لگی





کس سلیقے سے وہ پھنپٹ بجے کر دیتا ہے  
”جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے“

جھولیاں دھڑوں سے بھر دیتا ہے لیڈر لکین  
ہم کو دھوکہ بھی دہی شام و محسوس دیتا ہے

میں شکر گنج میں رہتا ہوں نعر اس سے نہیں  
میرا مالک مجھے بن مانجے شکر دیتا ہے

اس کی محفل میں چلا جاتا ہوں پابندی سے  
جو سلیقے سے مجھے خراب سفر دیتا ہے

قید کرنا ہے سب کو بہت اپنا مگر  
وہ گرانی کو تو پرواز کے پر دیتا ہے

بات کو بیری اُڑا دیتا ہے ظالم لیکن  
جب سزا دیتا ہے تو سب کو کھڑا دیتا ہے

مینک آنکھوں پہ نہیں فائدہ اس کہ ہے حتم  
بھوکھ گھوڑے کی حمت میں وہ خود دیتا ہے





نہیں شاعروں تو یہ میراجرم ہے  
ہر ایک کی ناک میں لہجہ ہے دم ہے

یہے اللہ کا یہ بھی کرم ہے  
کسی کا ذہن ہے میرا قلم ہے

جو اُن کے ہاتھ میں لہسی چلے ہے  
نسا ہے اس کے ان کے دم میں دم ہے

ہو میں تیری منزل جانتا ہوں  
برے آگے ترانقش قدم ہے

غریبیں تھے غزل ابھی سے ابھی  
ہماری جیب میں اتنا تو دم ہے

چمک بٹھی ہے ان کی یاد اس سے  
میتوں میں نہ جانے کیسا گم ہے

حجم اپنا ہے قطعہ مختصر یہ  
حسینا میں کئی ہیں ایک بلغم ہے





اپنے لیڈر ہی جو ڈاکو پہ اتر جائیں گے  
سوچنا یہ ہے کہ ڈاکو یہ کدھر جائیں گے

ایسے بھوکے بھی ہیں اس دیش کے لیڈر یار  
ہو مولشی کا بھی چارہ تو وہ پھر جائیں گے

میرے احباب بٹے زیرک دانا ہیں جناب  
میں اگر ہاتھ پٹا دوں تو پسند جائیں گے

کسی ہرشد کسی مرشد کا تو چھپہ بن جا  
مرغ و ماہی سے کٹوئے ترے بھر جائیں گے

ایرپورٹ آپ کی الفت کا نظر آتے ہی  
ہم تو طیلے کی مانند اتر جائیں گے

جو مرے نند کے لیڈر ہیں وہ گیدڑ تو نہیں  
کون کہتا ہے کہ تانوں سے ڈر جائیں گے

طوطی بولے گل جہاں اپنے چرنغیوں کی رحیم  
ہم لٹکا کر وہاں سُرخاب کئے پہ جائیں گے





جب بھی ہوتی ہے اُن سے مہر کی گفتگو  
اُن کو میں آپ کہتا ہوں وہ مجھ کو تو

ہو گئے سارے لیڈر بہت سُرخرو  
چوس کر ہم غریبوں کے تن سے لہو

دیکھ کر تو تو میں یں کو ٹی وی پر اب  
سارے کو گالیاں دے رہی ہے بہو

میری غزلیں مرے سامنے پیش کیں  
میرا استاد نکلا ہے میرا اگر و

مُفلسی کو اٹھائے یوں پھرتا ہوں میں  
جیسے بچے کو لے کر پھرے کینگر و

خوبصورت گلو بند باندھا ہوں میں  
مجھ کو کہتے ہیں سب شاعر خوش گلو

اُن کا ہر رُخ کچھ کے لگائے رجم  
اپنے لیڈر میں سوکھے ہوئے کو کھرو





ہوٹنگ ہو رہی تھی میں پھر بھی ڈٹا رہا  
”ہر حال میں بلند مرا حوصلہ رہا“

ہر شعر اُس کا خام رہا کھسکا دُرا رہا  
لیکن وہ بن کے بزم میں چکنا گھڑا رہا

وہ سو رہی تھیں موقعِ مرے ہاتھ آگیا  
میں بھی تمام رات اُسے ڈانٹتا رہا

ہمرا کو میں نے پڑھ دیا محسوس کیا ہوا  
دونوں کا ایک دوسرے سے رابطہ رہا

انشور اس کی انگلی تھی اس واسطے جناب  
انگلی کے ہر اشارے پر میں ناچتا رہا

ہمراہ وہ رقیب کے آتے تھے بزم میں  
نفرت بھری نگاہ سے میں دیکھتا رہا

مجھ سے مار ڈالا خدا نے اُسے حرم  
مخروہ جبکہ خود کو خدا بولتا رہا





چلو تم شاعر اعظم ہو ہم یہ مان لیتے ہیں  
مگر پہلے کسی ہوٹل میں مرغِ دُنان بیٹے ہیں

ہمارا اُنک بھی یستا ہے جیکہ دان دُنیا سے  
وہ کیا نادان ہیں جو دوستوں سے دان لیتے ہیں

فقط کیڑے مکوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا  
ہم اُن کے ہاتھ کی تحریم کو پہچان لیتے ہیں

عمل کے واسطے وہ نامِ سراں تک لیتے تھے  
قسم کھانے کی خاطر سر پہ وہ سراں لیتے ہیں

اڑھاتا ہی نہیں محفل میں ہم کو شال جب کوئی  
تو غم غصے میں خود اپنی ہی چادر تان لیتے ہیں

درندے بن گئے ہیں اس قدر انسان شہروں میں  
شال انسان کی جنگلی کے اچھے چٹان لیتے ہیں

رحیم اپنی حماقت کا کسی کو کیا ہو اندازہ  
ہم اُن کو جان کہتے ہیں جو اپنی جان لیتے ہیں





مجموعہ تو پھپھپ جاتا ہے اب میری بکلا سے  
رُسوا ہو اگر عِلم و ادب میری بکلا سے

بیٹیوں سمجھائیں چلاؤں گا، روؤں لگا برابر  
برہم ہو اگر بزمِ طرب میری بکلا سے

دلہن وہ بے بھد کو جو ہو سونے کی چڑیا  
اُس کا ہو کوئی نام و نسب میری بکلا سے

چہرے سے نقاب اُن کے اُتار دوں گا کسی دن  
ڈھالتے ہیں تو وہ ڈھائیں غضب میری بکلا سے

بیمار کی دولت ہے بچنے سے نہیں کام  
بدنام جو ہو جائے مطلب میری بکلا سے

اشعار پڑھ کر ہی چھپا لوں گا تیرا سیم اب  
ہو دیتے ہیں دینے دو لقب میری بکلا سے

جس طرح سے جس لفظ کو چاہے میں برت لوں  
بھڑ جائے تو تہ ہو کہ سب میری بکلا سے





برائے نام لے جاتے ہیں بیٹی ہم طُرم خاں کی  
ہیں تو دور حقیقت ہے ضرورت ساز و سامان کی

گریباں ہی نہیں باقی رہا تھا عشق لیٹے میں  
”قسم دے دی ہے کیسے قیس نے چاکِ گریباں کی

صدارت کی مجھے مسند ملی ہے اب زہے قسمت  
کوئی حاجت نہیں ہے اب کسی تختِ سلیمان کی

چڑیل ایسی ہے آخر کون یہ سایہ فگن تم پر  
تمہاری ہر غزل بننے لگی ہے آنتِ شیطاں کی

محبت میں جحامت تک بنانے کی نہیں ذرہ  
جبھی تو یہ بھیانک شکل ہے زُکفِ پریشاں کی

خدا حافظ ہے میرا آج وہ خاموش بیٹھے ہیں  
یہ کیا پیشین گوئی ہے کسی آفت کی طوفان کی

رجیم آزاد ہو تم وزن میں اشعار کہنے سے  
یہ کہہ کر آپ نے مشکل ہماری کتنی آساں کی





میں نے بھل میں جب بھی پڑھی ہے غزل  
کوئی کہا نہیں یہ مری ہے غزل

ہاں یہ تھی غزل تو وہ کہنے لگے  
یونہی استاد سے لڑ گئی۔ ہے غزل

دیکھ کر شوقِ جدت کی بے باکیاں  
آپ اپنے میں خود رو رہی ہے غزل

میں ہوں چوٹی کا شاعر مرے دوستو  
کیونکہ چوٹی پہ میں نے لکھی ہے غزل

ہو گیا ہے خواب اُن کے مُنہ کا مُرا  
جو بھی کہتے ہیں باسی کڑی ہے غزل

بیس برسوں سے اب تک سنا آہوں میں  
ساری غزلاں میں یہ چل پڑی ہے غزل

کیا کوئی سر بھری رُوبرو تھی رحیم  
کس لیے آپ لکھ لے گئی ہے غزل



## غزل

سہرا باندھے ہوئے دُلہا نہیں دیکھا جاتا  
ہم سے وہ دار پہ چڑھتا نہیں دیکھا جاتا

تاناکتا جھانکتا بوڑھا نہیں دیکھا جاتا  
ہنس کی چال میں کوا نہیں دیکھا جاتا

آپریشن مری آنکھوں کا وہی کرتا ہے  
جس سے فُٹبال بھی پُورا نہیں دیکھا جاتا

میری نظریں تو رہا کرتی ہیں بس ویلکم پر . WEL COME

ہے وہ برسی کہ ولیمہ نہیں دیکھا جاتا  
ق

بن بلائے ہی چلا جاتا ہوں ہر دعوت میں  
بھوک میں اپنا پرایا نہیں دیکھا جاتا

جا کے تھیٹر میں لیا کرتا ہوں میں خیرائے  
جب بہو ساس کا جھگڑا نہیں دیکھا جاتا



چاند کے ٹکڑے کی امید میں ہیں شیخ وہی  
جن سے اب چاند بھی پورا نہیں دیکھا جاتا

خود غنائی ری آنکھوں میں بسی ہے ایسے  
اب کوئی پھرتا پھلتا نہیں دیکھا جاتا

شاعر کی کرنے لگے ہر یہاں یہ غیرے  
شاعری میں جو وثیقہ نہیں دیکھا جاتا

دیکھ کر تیری جسامت کو وہ کہتے ہیں حسیم  
ہم سے شاعر کوئی موتا نہیں دیکھا جاتا







فخر تھا میرا تخلص مختصر اُس نے کیا  
”ف“ تخلص سے نکالا اور خُرا اُس نے کیا

کر کے وعدہ عقد کا مجھ کو کنوارا ہی رکھا  
”میری ساری زندگی کو بے شمر اُس نے کیا“

اُس کی مُٹھی گرم کی ہو گا بُڈی ایچ ڈی کا تھا  
میں تھا جاہل مجھ کو ڈگری ہولڈر اُس نے کیا

میری غزلوں کو چُرا کر ہر جگہ پڑھتا رہا  
کھاڑی میری تھی مگر اُس میں سفر اُس نے کیا

سُر کیں چوڑی کرنے والے کا بڑا احسان ہے  
میں گلی میں رہ رہا تھا روڈ پر اُس نے کیا

تھا ہر انقاد مجھ کی صفت کا دوستو  
رات دن رہ رہ کے مجھ کو مار چر اُس نے کیا

کر کے اک تنقید بے جا ایک محفل میں حریم  
خوش ہے جیسے میرے فن کو بے اثر اُس نے کیا





جو کر جوں میں دلوں کو بھانے کے واسطے  
میں ردِ م ہوں سب کو ہنسانے کے واسطے

گل پھڑے میں اڑاتا ہوں اب ہو کے بے خطہ  
بیوی قطر گئی ہے کسانے کے واسطے

چولہے کی طرح میں نے سلگ کر سنائے شعر  
مخمل میں اپنی دال گلانے کے واسطے

سن باتھ لینے پھٹ پڑ ہوں تنہا کھڑا ہوا  
پانی نہیں ہے گھر میں نہانے کے واسطے

سب مریچکے رقیب مگر ہم ہی رہ گئے  
اک بے وفا کے ناز اٹھانے کے واسطے

کرنے لگے ہیں شوق وہ اب نثری نظم کا  
بے وزن شاعری کو نبھانے کے واسطے

روٹھے ہوئے ہیں وہ تو رحیم اپنا قلب زار  
مٹا لکھ گیا ہے منانے کے واسطے





ذرا تو سوچو کہ میں پن میں یہ غلو کیا ہے  
”ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے“

عدو کو ساتھ لیے پھرتے ہیں وہ میرے لیے  
یہ مجھ کو دیکھ کہ اُن کی زباں پہ چھو کیا ہے

لہو کو نئے کے بھگت جو دھینہ پاتے ہیں  
بلی کی بکری ہے اُن کے لیے ہو کیا ہے

جو فال دیکھتا ہے کہ اُسے نہیں کہتے  
تو پھر بتاؤ کہ مفہوم فالتو کیا ہے

بہانہ آرٹ کا عسیرانی بن کے لیے  
ہم لے دور میں عورت کی ابرو کیا ہے

ہو کوئی سقم تو جرات سے بر ملا کیے  
ہم لے شعروں پہ، چھپ چھپ کے گفتگو کیا ہے

نکاح والا ہو کوئی رحیم تو دیکھے  
ہم لے گھر کے مقابل میں کوئی زو کیا ہے





اُن کا سیرا مقابلاً کیا ہے  
آگے طوفان کے دیا کیا ہے

اُس کے زیرِ علاج ہوں میں بھی  
جو نہیں جانتا دوا کیا ہے

میں ہوں مشتاقِ مرغِ وادی کا  
میرے آگے یہ دلچسپ کیا ہے

اُن سے بُرقعے کی کیا اُمید کریں  
جو نہیں جانتے حیا کیا ہے

مخفلِ شعر کے جو دُعا می ہیں  
پوچھتے ہیں مشاعرہ کیا ہے

کتنے دیوان چھپ گئے اُس کے  
جو نہ جانے کہ قافیہ کیا ہے

کر حفاظتِ حریم تو اس کی  
ایک نعمت ہے یہ سکھایا ہے





سبھی کو خوف یہاں ماسٹر پلان کا ہے  
 کہ مسئلہ یہاں سب سے بڑا مکان کا ہے  
 ہوئی ہے سُرِ جبری جب سے جوان لگتے ہیں  
 بٹے میاں کو لگا دل جو ہے جوان کا ہے  
 نہاری کُلمے کھلا کر رکھائی ہے جو غنڈل  
 اسی لیے مرا ہر شراب زبان کا ہے  
 کہیں بھی رنگ نہیں اس میں آدمی پن کا  
 نہ جانے میرا عدد کون خاندان کا ہے  
 سُرے ہوئے ہی سہی اُس نے اُم بھیجے ہیں  
 اسی لیے تو مزہ اس میں بے نشان کا ہے  
 وہ باندھتے ہیں ٹیری اُول کی اُدھر ساری  
 پہلے تن پہ جو پستلون ہے کتان کا ہے  
 رحیم سن کے اسے قہقہے لگاتے ہیں  
 کلام گویا تر اکھیت زعفران کا ہے





بکواس بھی جب کی ہے تو اس شان کی کی ہے  
نقاد مرے کہتے ہیں لفظوں کا دھنی ہے

پارے کی طرح ہوتے ہیں بے چین وہ سن کر  
اک آنچ کی شاید مرے شعروں میں کی ہے

بننے لگے جل جل کے چپاتی کئی چہرے  
جب دال مری وقت کے چوٹے پہ گلی ہے

کیونکہ نہ مقام اس کا ہو ٹکسال میں دل کے  
ظالم وہ چھری ہے بھی تو سونے کی پھری ہے

کرتے ہیں جنگالی وہ مرے شعروں سے اکشر  
یہ جہان کے پرتے ہیں کہ یہ گھانس ہری ہے

تقدیر میں لکھا تھا مرے وعدہ کا ٹکنا  
لکھ بھیجا ہے ظالم نے میری ناف ٹٹی ہے

کتنے ہی رحیم اس میں ہیں اشعار کے چرے  
یہ میری غزل حاصلِ محفل جو ہوئی ہے





دُم دار ستارے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے  
کہنے کے لیے نام ترا ماہِ جبیں ہے

ہے پیار اُسے مجھ سے مگر کہتا نہیں ہے  
لعنم کا دھماکہ ہے مگر زیرِ زمیں ہے

پڑھنے کے لیے وقت کو ہم لائیں کہاں سے  
اب ایک رسالہ ہے یہ اخبار نہیں ہے

آنکھوں پہ چڑھا رکھی ہے عینِ پن کی جوینک  
اور خود کو سمجھتا ہے کہ وہ سب سے حسین ہے

آجاتے ہیں گھریہ وہ مرے چائے کی خاطر  
جن کو مرے افلاس کا اندلزدہ نہیں ہے

سب کو یہ گماں ہے کہ یہ استاد کی ہوگی  
یہ میری غزل ہے یہ فقط مجھ کو یقیں ہے

اس طرح ہوئی فناؤن پلاننگ کہ حسیں اب  
ماخذِ نظر کوئی مکاں ہے نہ ممکن ہے





داد کیوں پاؤں نہ اب سارے سُخندانوں سے  
میں نے تیار غنزل کی کئی دیوانوں سے

بڑھ گئے چار قدم اس طرح شیطانوں سے  
اب تو شیطان ڈرا کرتے ہیں انسانوں سے

اب بھڑا کرتے ہیں خجسہ مرے ہمسایوں کے  
”اُستینوں سے، گریبانوں سے، دامنوں سے“

میں ہوں مشہور زمانہ، یہ ذرا یاد ہے  
میری تصویریں بھی مل جائیں گی سب خانوں سے

ہچکنے والوں کو بھی ساتھ لیے آتے ہیں  
محفلیں جمتی ہیں ایسے بھی غزل خوانوں سے

کسی بیرے کو بلا کر چلو دعوت میں حریم  
میں نہ خالی نظر آئے گا نہ پھر کھانوں سے



## رؤف رحیم — چند تاثرات

رؤف رحیم کو شاعری ورثے میں ملی اور اس ورثہ کو انھوں نے حرزِ جاں بنا کر رکھا ہے۔ ان کے سنجیدہ اور مزاحیہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ طبیعت مزاح کی جانب زیادہ مائل ہے۔ مزاحیہ شاعری اور کئی سال سے رؤف انعطاف ہے، لیکن رؤف رحیم اور اس قبیل کے بعض دوسرے شعراء مسلسل کوشاں ہیں کہ انھیں مزاحیہ شاعری کا رتبہ اور وقار قائم رہے۔ حالیہ برسوں میں مزاحیہ شعراء نے عام طہر پر چند گھسے پٹے موضوعات کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے لیکن رؤف رحیم کے یہاں موضوعات کا کیسوس وسیع ہے، وہ اپنے ماحول پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ سماجی، معاشی، مذہبی اور سیاسی بے اعتدالیاں ان کی شاعری کا خاص موضوع ہیں۔ وہ قدیم اور قابلِ قدر اقدار سے انحراف کو پسند نہیں کرتے، اس کے باوجود نہ تو طرزِ سخن پر اڑ جاتے ہیں اور نہ پیچھے کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ قدیم و جدید اقدار کے ٹکراؤ کی بازگشت ان کے ہاں صاف سُائی دیتی ہے۔ اس کٹھن منزل کا انھیں خوب احساس ہے، مستقبل پر ان کی نظر ہے، نیا محاورہ، نئی مائیں اور نئے صالح اقدار انھیں پسند ہیں۔ شاعر کا یہ متوازن رویہ مزاحیہ شاعری کی نئی منزلوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ فنِ شعر پر رؤف رحیم کو عبورِ حامل ہے۔ دل پر گزرنے والی ہر کیفیت کے اظہار پر انھیں قدرت ہے۔ ایک حساس شاعر کے لیے اور کیا چاہیے، یہی وہ عناصر ہیں جس کے مرقعے شعر کی صورت میں رؤف رحیم کے مجموعہ کلام میں جہاں تہاں مل جاتے ہیں۔ تلخی دورانے ان کے لہجے میں کڑواہٹ نہیں پیدا کی بلکہ وہ ہر طرح کی بے راہ روی پر شیریں انداز میں اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے مجموعے کے چند اچھے شعر ملاحظہ ہوں۔

|                                            |                                       |
|--------------------------------------------|---------------------------------------|
| پڑ کر کایوں نہ گھلے ہی میں ڈال دوں         | معشوق وہ بلا ہے کہ جس کی کمر نہیں     |
| بیرونی شاعروں پہ لٹاتے ہیں سیم و دزد       | اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چلتے پان پر   |
| مدد کی حرکتیں ایسی بھی دیکھیں ہم نے غل میں | مجھ میں آگیا انسان کا سنس گور ہو جانا |



ہمارے دلش کی تو یہ روایت عام ہے لوگوں  
 بہو کا نان بننا، ساس کا تندور ہو جانا  
 غیر مطبوعہ جو استاد کا دیوان ہے  
 اس کو قیمت کا عطا کردہ دفتہ سمجھو!

پہلے دے کر دان میں موٹر بعد میں کسٹیا دان کریں گے  
 خالی ہے پولس کا خزانہ پیدل کو چسلاں کریں گے  
 رؤف حسیم، اعتماد کے ساتھ مسلسل شعر کہہ رہے ہیں، مستقبل میں ان  
 سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

(ڈاکٹر) مصطفیٰ کمال

ایڈیٹر ماہنامہ شگوفہ - حیدرآباد

## مصنف کی دیگر کتابیں

- ۱: بلاطِ دل (سنجیدہ کلام) ۱۹۸۷ ۲: خدا خیر کے (مزاحیہ کلام) ۱۹۹۲
- ۳: نشاطِ آلم (سنجیدہ کلام) ۱۹۹۶ ۴: نوک بھونک (مزاحیہ کلام) ۱۹۹۸
- ۵: زیرِ اشاعت: نعتوں کا مجموعہ "سہا سفر" ۶: سفاین کا مجموعہ "دل کے رشتے"
- ۷: افسانوں کا مجموعہ "بے نام"

تالیف:

- ۱: "زنجیر و زنجار" کلام شمس الدین آبادی ۱۹۷۸ ۲: "محمود زعفرانی" کلام صفی اودنگ آبادی ۱۹۸۷

وابستگی: معتمد اہستیا دکن، یادگار حضرت صفی اودنگ آبادی

معتمد بزمِ تاباں، یادگار حضرت شمس الدین آبادی

معتمد بزمِ گلشن، زیرِ سرپرستی: اہلبے دکن لٹری

معتمد بزمِ جمیل، حیدرآباد

شریک معتمد زمرہ دلاں حیدرآباد

پتہ: ۵۲۵ - ۵ - ۲۰ سکرانج، حیدرآباد ۵۰۰۰۶۵ (انڈیا)

۴۴/۲۵۱۵